

لمس

کا خواب

زندہ رہنے دے

اظہار اللہ اظہار

Ketabton.com

PDF by Tahir Abid Taair



پانیوں میں گلاب بہنے دے
لمس کا خواب زندہ رہنے دے

انتساب

اپنے پیارے گل داعی پروفیسر انعام اللہ جان قیس صاحب
اور اپنی پیاری امی جی کے نام جن کی پناہوں اور نگاہوں

چھوٹا جماع کرنا کے پرواز کرتے تیس نے انکشاف کی نئی کہکشاؤں کو میرے

دور ہوتا
راستوں میں بچھا دیا ہے۔
کھیلنا
ساکھول کر
لے ساروں کی جرمیت جودائیت
کا طرح دیکھائی دیا
اظہار

☆..... مری کتاب پتق ہے مری محبت کا..... ☆

کتاب کا نام : لمس کا خواب زندہ رہنے دے

شاعر : اظہار اللہ اظہار

ترتیب : محمد ایاز غزل، تکلیف احمد تایاب،

پروفیسر سید ایوب شاہ

اہتمام : پروفیسر شوکت اللہ، داؤد کمال محسن،

پروفیسر فرمان اللہ

پروفیسر سہیل احمد، محمد سلیمان سالم

کمپوزنگ / ٹائٹل : نور کمپوزرز، پشاور (0300-5904653)

سن اشاعت : اپریل 2003ء

قیمت : 100 روپے

رابطہ

اظہار اللہ اظہار

معلم شعبہ اردو، اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی۔ فون 240305

اظہار اور جدید شعری رویے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں کتابوں، دوستوں اور ادبی محافل سے قطعاً تعلق کر کے ذات سے مکالمے میں مصروف تھا کہ ایک دن اظہار بھائی نے آکر خواب سے جگا دیا انہیں تیزی سے کام کرنے اور کتابیں چھپوانے کی دھم دھمائی۔ ابھی ان کا پشتو ہانکیلا مجموعہ آیا تھا۔ غالب پر تنقیدی کتاب اشاعت کے مرحلے میں تھی اور اب انہیں اردو کے تیسرے شعری مجموعہ نے جکڑ لیا تھا۔ شاید انہیں یہ احساس ہو چلا تھا کہ ان کے پاس وقت کم ہے اور کام زیادہ کرنا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہمیشہ تکلیف کا باعث ہوتے ہیں خاص کر دوست، احباب کیلئے اور نہ جانے کیوں میرا یہ حال یہ ہے کہ بسیار تو نہیں ہمیشہ سے آنکھ میں کلکتار ہا ہے شاید اس کی وجہ غلام محمد قاسم اور ناصر علی سید جیسے اساتذہ کی تربیت ہے۔ سو ایک دن میں نے جی کڑا کر کے اظہار بھائی سے کہہ دیا ”آپ کتابیں چھاپتے جائیں جب تھک جائیں گے تو ایشیا اللہ آخر میں، میں آپ کے کام کا انتخاب کروں گا حالانکہ مجھے احساس ہے کہ نہ آپ میرے ہیں اور نہ میں ناصر کاظمی“۔ اس بات سے وہ تھوڑے سے خفا بھی ہوئے مگر اب کے پریشان ہونے کی باری میری تھی جب انہوں نے کہا میری نئی کتاب

”لمس کا خواب زندہ رہنے دے“ شائع ہو رہی ہے تم اس کے سونے کو خوب تھہرے پر حو۔ تمہیں اس پر تھمن کھتا ہے۔ جب ان سے پوچھا میرا قصور کیا ہے تو پتہ چلا کہ چونکہ میں ان کا ہم عصر ہوں اور وہ اپنے کسی ہم عصر سے تھمن کھتا ہے چاہتے ہیں اور قرعہ قال میرے ہی نام نکلا ہے تو پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا کہ کیا کھوں اور کیسے کسی کتاب پر کچھ لکھتا کہاں تک ممکن ہے۔ کتابوں پر مضامین کھوانے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ کچھ تعریف کا وسیلہ ہاتھ آسکے شاید میں بھی جی کرتا۔ اظہار بھائی کی محبت میں مگر اساتذہ کی تربیت آڑے آگئی اور میں نے اظہار بھائی سے کہہ دیا سو وہ پڑھنے کے بعد جو کچھ محسوس کروں گا صاف کھوں گا ہو سکتا ہے یہ سچائی اور صوری ہو مگر ہر ذہن کی اپنی سچائی ہوتی ہے اس طرح ان کے کلام کا مطالعہ کرتا رہا۔ ایک ایک شعر کو احساس کا حصہ بنا تا رہا صبح سے شام ہو گئی ذہن میں ”ہم آئینوں کے قیدی“ اور ”گرفت“ کے اشعار موجود تھے اور آنکھوں کے سامنے ”لمس کا خواب زندہ رہنے دے“ کی تبدیلی کے احساس نے حیرت سے دو چار کیا۔ مطالعہ سے سراٹھایا تو مناظر صاف ہونے لگے۔ ذہن میں ایک خاکہ سا بننے لگا وہی خاکہ اگلی سطور میں پیش کروں گا۔ میرا مقصد نہ کسی کی حمایت ہے نہ مخالفت اور نہ ہی شعروں کی تشریح بس کچھ رویوں کی بازیافت ہے اور کچھ سوالات۔ ایک دوست نے ایک دن کہا اظہار کے ہاں روایت کا سلیقہ نظر نہیں آتا اور ایک نے فیصلہ صادر کر دیا کہ اس کے ہاں جدید رویے نہیں ہیں۔ سو چنار ہا اس کے ہاں روایت ہے نہ

کے ہاں تہہ میں سب کچھ موجود ہے۔ ہم آئینوں کے قیدی میں بھی گرفت میں بھی اور نئے جموں میں نسبتاً زیادہ اور فعال صورت میں اب دیکھتے ہیں کہ نئی کتاب کی تہہ میں کیا ہے؟ جو تہہ سے اوپر ہی آ رہا ہے اور اپنا اظہار بھی کر رہا ہے۔

یہاں روایت سے جدیدیت کی طرف ایک غیر محسوس مسافر ہے اور درمیان میں کئی پڑاؤ آتے ہیں اس کی غزل میں روایت، اس کا آہنگ موجود ہے اس کے ذہن میں روایت کی کئی کہانیاں آباد ہیں۔ بہت سے رویے لاشعور کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے یہ عناصر اس کی سائیکس کا حصہ بن جانے کے بعد لاقصد اور وہاں میں ظاہر ہوتے ہیں کتنے ہی اشعار، لفظیات اور مناظر جذبے میں ڈھل کر تصویر بناتے ہیں یہاں ایک روایتی اور تہذیبی معاشرے کا فرد سانس لے رہا ہے۔

کا نچ نے **نور اللغات** نوٹ کر صدائیں دیں

تم نے وعدہ جہاں جہاں توڑا

اگر جدا ہوئے ہیں ہم سفر ابھی رکا نہیں

میں اس کی سانس سانس ہوں وہ میرا انگ انگ ہے

روایت کا شعور ایک الگ مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ہم کر رہتا ایک دوسرا مسئلہ روایت کے شعور کے ساتھ اگر نئی راہوں کا سفر کیا جائے۔ نوئے تہذیبی رویوں کا تجربہ کیا جائے اور نئے عہد کے منظر نامے کو جانچا جائے تو شاعر ایک نئی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے جو نہ بنیاد ہوتی ہے نہ ہوا میں معلق۔ اسے تاریخ، تہذیب اور

بے صورت تو بجز آخر اس کی شاعری میں ہے ہی کیا۔ اس مجموعے کا مسودہ پڑھتے ہوئے سوالوں کا جواب مل گئے یہ حقیقت اس وقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ اس کے ہاں تہذیبیت کا تہہ ان ہے نہ جدیدیت کا البتہ مخصوص قسم کی فضا نے انہیں گرم کر دیا ہے تقریباً یہ سوالات اٹھانے سے پہلے کہ اظہار کی شاعری میں روایت اور جدیدیت کی کیفیات کیا ہیں؟ یہ سوال اٹھانا بہت ضروری ہے کہ اظہار کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ شاعر کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے افکار اور رویوں کی دریافت ہے اس لئے خوش بختی کا لمحہ وہی ہوتا ہے جب وہ ان امور کی تلاش میں کامیاب ہو جاتا ہے نہیں تو ساری زندگی اندھیرے راستوں اور اجمان راہ گزاروں میں گٹ جاتی ہے۔ نہ فطری سچائی اس کے ہاتھ آتی ہے، نہ بے ساختہ پن۔ اظہار کے ساتھ بھی یہی ہوا وہ زیادہ سے زیادہ لکھنے کی دھن میں اور لفظوں کے محل بنانے کی فکر میں فطری سچائی اور بے ساختگی سے دور ہوتا چلا گیا۔ موضوعاتی اکائی اس کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ لفظوں کی تراش خراش، فلسفے کے مسائل اور مشکل شاعری کی دھن میں کہیں دور نکل گیا اس کی شعوری کاوشوں نے اس کے اندر کے فطری انسان اور باکمال شاعر کو باہر آنے نہیں دیا اس کے ساتھ تقریباً وہی ہوا جو کسی زمانے میں جوتس کے ساتھ ہوا تھا۔ نجمد ماحول، ٹھوس علیت اور زبان دانی کے چسکے نے اسے کچھ اور بنا دیا وہ ایک مخصوص انجناد کو تو ذکر باہر نہ نکل سکا سوا اس کی شاعری دھند میں گھوٹی اتنی زیادہ شاعرانہ صلاحیتوں اور ڈھیر ساری کتابوں کے باوجود کوئی مقام نہ بنا۔ حالانکہ اس

اساطیر کا سہارا حاصل ہوتا ہے اور یہی صحت مند جدیدیت ہے کہ نئے مناظر اور بدلتے ہوئے رویوں کو روایت کی روشنی میں پرکھا جائے تو زمانی تسلسل برقرار رہتا ہے۔ اظہار روایتی جذبات کو بھی ذہن میں رکھتا ہے اور محبت کے بدلتے تناظر کو بھی لہذا روایتی کہانیوں کی روشنی میں نئی محبت کا جب تجزیہ کرتا ہے تو معاشرتی تخریب اور تہذیبی انہدام کے نئی زاویے سامنے آتے ہیں۔

سنگ باری کا کوئی ڈر نہیں لیکن اظہار
بچوں کے ہاتھ میں پتھر مجھے منظور نہیں
یہ واقعہ تو کسی سانچے سے کم ہی نہیں
بچھڑ رہے ہیں مگر کوئی آنکھ نم ہی نہیں

یہ وہ مرحلہ ہے جہاں سے رومانی شاعر کا ذہن نامہوار معاشرتی ڈھانچے کی تخریب کی طرف مڑتا ہے یہ تقریباً ہر رومانی شاعر کا مسئلہ رہا کہ اسے رومان سے انقلاب کی طرف سفر کرنا پڑتا ہے اور اسے اس طرح کے کئی فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔
میں کیا ڈھونڈوں کسی آنچل کا سایہ
عروس زندگی جب بے ردا ہے
لیکن یہ فیصلے جذباتی اذبان کے تو ہو سکتے ہیں مضبوط رومانی انسان کے نہیں کہ
اسے سماج کی جدوجہد میں ہر مقام پر محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوں روایت،
محبت اس سے انقلاب اور عہد حاضر کے خارجی المیوں تک سفر اظہار کی غزل میں

بہت کچھ مل جائے گا۔ یہ ساری کیفیات اپنی جگہ لیکن مجھے اظہار کی غزل آج ایک اور طرف لے کر جا رہی ہے جدید دور کے جدید منظر نامے کی طرف۔ جس کی راہیں معاشرہ کے اسی خارجی بیکر سے بھوتی ہیں۔ ڈھانچے کی توڑ پھوڑ سے نکلتی ہیں اس میں نہ میری دلچسپیوں کا ہاتھ ہے نہ اظہار کی محبت کا مجھے ان رویوں میں نیا معاشرہ سانس لیتا محسوس ہوتا ہے، نیا فرد دکھائی دیتا ہے، ہشیشوں، صنعتوں کے درمیان گھرا ہوا بے چین فرد۔ مادیت کے کھیلے میں جکڑا ہوا روحانی فرد جس کے آگے مادیت کے معیار بائیں پھیلائے کھڑے ہیں۔ پشت پر لاقعدا صنعتوں اور کارخانوں کا بوجھ ہے وہ ان زنجیروں سے رہائی تو نہیں پاسکتا مگر اس کا من اس کی فطرت اسے کہیں اور لے جاتی ضرور ہے۔ فطری زندگی کی طرف، معصوم خواہشوں کی طرف، وہ اس مشینی زندگی میں قدم رکھنے کے باوجود اپنے ماضی، روایات اور اساطیر سے دامن نہیں چھڑا۔ بلکہ اب یہ رشتے اور بھی گہرے ہو گئے ہیں۔ ہمارا نیا شاعر اس صنعتی دور میں واپسی کا سفر کر رہا ہے تاریخ اور دیو مالا کے طرف۔ اس کے استعارے مشینی دور کے نہیں قدیم ادوار کے ہیں۔ صنعتوں اور کارخانوں سے لپٹی زندگی کے نہیں، فطری زندگی کے ہیں۔ اظہار کی غزل کا استعاراتی اور علامتی نظام بھی مشینی زندگی کا نہیں۔ تاریخ اور فطرت کی قریب ترین زندگی کا ہے۔ اس نے جذبیوں کی کہانی لکھنے کیلئے فطرت کے مظاہر سے مدد لی ہے اور نئے ماحول کی تشریح کیلئے جو استعاراتی نظام وضع کیا ہے اس کا تعلق تاریخ اور مذہب کی قدیم اقدار سے

بڑا جاتا ہے۔ وہ پلڈنڈیوں پر چلتے ہوئے شاہراہوں کو دیکھ رہا ہے۔ لوق ووق صحرا میں کھڑا مینوں کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اسے علم ہے کہ اس کے گرد کھڑی عمارتوں اور پکی شاہراہوں نے آنگن کو اجازت دیا ہے۔ رشتے تقدس کی علامت نہیں رہے۔ مادی رنگ روپ اختیار کر گئے ہیں۔ سارے

تصویرات، اقدار کے پیمانے تبدیل ہو گئے ہیں۔ زندگی آسیب زدہ ہو گئی ہے اور خوف کی دیواریں مضبوط ہو گئی ہیں۔ اس لئے اس کا فردان مناظر کے گرد کھڑا کچھ سوالات اٹھا رہا ہے۔

نہیں آتا مگر جھونکا ہوا کا
دریچہ تو ہر اک گھر کا کھلا ہے۔
پرندے امن کے شاخوں سے اڑتے جاتے ہیں
اتر رہا ہے یہ کیسا عذاب آنگن میں
آدمی کیا کوئی سایہ بھی نہیں ہے اظہار
شہر کے کوچہ و بازار نظر آتے ہیں
برہمی آنکھ کی پھیلی ہوئی قدیل میں ہے
شہر کا شہر کسی سائے کی تحویل میں ہے
بے بسی نے ہمیں پتھر کا بنا یا اظہار
ہم نے آنگن کے اجڑ جانے کا غم دیکھا ہے

ہونٹ گنگناتے ہیں اور روح گھائل ہے
لفظ اور معانی میں اک خلیج حائل ہے
پرندے کوچ کرتے جا رہے ہیں
محبت کا کوئی امکان نہیں ہے

اور خاص کر یہ شعر

شہر کی آوارگی کو چھوڑ کر جاؤں کہاں
میرے گھر میں بھی مری تنہائی کا آسیب ہے

وہ انسان کی داخلی زندگی اور توڑ پھوڑ کا سوال اٹھا رہا ہے۔ مضطرب انسان جو

متعین شریف آدمی نہیں بن سکتا اس کی زندگی کے لیے پیش کر رہا ہے
روحانی اور پراسرار کیفیات سے گزرنے والے فرد کی کہانی لکھ رہا ہے جسے واپسی کا
سفر پراسرار راہوں کی طرف کرتا ہے۔ جہاں چیزیں فارمولاتی ہیں اور مذاہن کی
تفکیلی ٹھوس پیمانوں کے مطابق ہوتی ہے۔ جہاں انسان توہمات اور دھندلکوں کے
تحت خوابوں کی زندگی بسر کرتا ہے۔ جدید دور کے مطابق انتہائی غیر عملی اور غیر ترقی
یافتہ زندگی جس کا انسان کچھ ایسا ہے۔

تیرگی میں جو سفر ہم نے کیا ہے پیہم
وہ کوئی جسم کے ہمراہ نہیں کر سکتا

اس کی چھاؤں میں گلابوں کے بدن جلتے ہیں
اس شجر پر کسی آسپ کا سایہ ہوگا
وہ روحانی اور پراسرار کیفیات سے گزرنے والے فرد کی کہانی لکھتے ہوئے منطقی
منظر نامے کو تبدیل کر رہا ہے کہ اب ایشیا کو ان کے مروجہ بیانیے سے ہٹا کر دیکھنے کا
وقت آ گیا ہے۔ اب شاید ہمیں خارجی اور داخلی کیفیات کو ایک اشارے کے تحت
جانچنا ہوگا لہذا سارے مباحث سمینے کے بعد اس کا آخری فیصلہ یہی ہے۔
تم کو نظر آتی نہیں اس عہد کی تصویر میں؟

بے چینیاں ، حیرانیاں ، تہانیاں ، رسوائیاں

اظہار کی غزل کے یہ رویے اور ان کا اشتراک ایک مرکزی نقطہ کو جنم دیتا ہے
جس کا سفر غزل سے نظم تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ انسان، اس کی آرزوئیں، اس کے
خواب اور جدید دور کی بے چینی اور ان دائروں کے درمیان انسان کے مستقبل اور بقا
کا سوال۔

اظہار کی نظم کے ساتھ بھی وہی ہوا جو اکثر غزل گو شعراء کی نظم میں ہوتا ہے ریزہ
خیالی کی کیفیت، بکھرے بکھرے خیالات کا جھوم، جس سے کبھی اکائی تعمیر ہوتی ہے،
اور کبھی نہیں اور ہو بھی تو اس کی ظاہری صورت کم ہی سامنے آتی ہے۔ اظہار کی کئی
نظمیں ریزہ خیالی سے تشکیل پاتی ہیں لیکن کئی نظمیں اکائی دریافت بھی کر لیتی ہیں
اور کئی سطحوں پر پھیل جاتی ہیں۔ محبت سے انقلاب تک اور انقلاب سے اندرونی

جہتوں کی دریافت تک اس کے پہلے دو اہم رنگ ہیں جن میں محبت اور معاشرہ کے
موجودہ ڈھانچے سے اختلاف کے زاویے موجود ہیں۔ دوسرا زاویہ یہاں نسبتاً
زیادہ فعال ہے۔

ہم گلابوں کی کہانی نہیں دہرائیں گے
باغ میں کھلتے ہیں بگلزار میں بک جاتے ہیں (ماوراء)
روشنی ایک اکائی ہے مری ہستی کی
اس کی تقسیم ہے نسلوں کا پریشان ہونا
بندگیاں یہ چپکتی ہوئی کہہ جاتی ہیں
روکنے سے کہاں خوشبو کا سفر رکتا ہے (اکائی)
زندگی ایسے مراحل سے بھی گزرتی ہے جہاں
اک صدی ایک ہی لمحے میں گزر جاتی ہے
ہاں گمراہوں بھی ہے جب ایک گھڑی کی اغزش
پشت در پشت غامی کی سزا دیتی ہے
ان گنت نسلوں کو چنوتی ہے دیواروں میں (تسمیرہ)
اگر دیکھا جائے تو یہاں خارجی نظام اور داخلی خواہشات میں جنگ جاری ہے۔
بیرونی سارے مناظر کشید کرنے کے بعد ایک نئے رخ کا سفر اور منزلوں کی تلاش کا

عمل ہے ہندا وہ ٹوٹی پھوٹی اور بکھرتی دنیا کے نقشے کھینچتا ہے۔ اقدار سے لے کر مادی عناصر تک ہر چیز کو ٹوٹے اور بکھرتے دکھاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ اشیاء کی توڑ پھوڑ کے نتیجے میں راہیں تبدیل ہو رہی ہیں اس میں تعمیر کا عمل دکھائی دیتا ہے یا نہیں یہ ایک الگ بحث ہے۔ مگر اشیاء کو توڑنا ہی تعمیر کی طرف پہلا سفر ہے اور اس کیفیت میں مادی نظام کا ہرز او یہ شریک ہے اور اس کے باطن سے عدم شناخت اور بے چہرگی کا مسئلہ ابھر رہا ہے وہ سالیوں اور آوازوں کی بھیڑ میں انسان کی تلاش کا سوال اٹھا رہا ہے۔

تجنائی کا عذاب مسلط تھا شہر پر
سالیوں سے جسم، جسم سے سائے پھڑ گئے (دیدہ ور)
رواں ہے قافلہ منزل کی جانب
مگر رستہ بٹک جانے کا ڈر ہے
سماعت کتنی آوازوں میں گم ہے
بہت بوجھل ہے اب کے دل کی دھڑکن
لگے ہیں ساتھ لٹ جانے کے خدشے
وفا کا چاند آدھا رہ گیا ہے
مقید ہے کہیں یادوں کی خوشبو
تمھکن سے چور، گرتے ہیں پرندے

ہوا بیمار ہے موسم پریشان
مراحل کبر میں لپٹے ہوئے ہیں
نجانے کب یہ مطلع صاف ہوگا (نہ جانے)
اظہار کی نظم میں بھی غزل کی طرح سارے رابطے فطرت کے ہیں۔ تبدیلی اور
ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو فطرت کے استعارے نئی معنویت عطا کرتے ہیں اور یوں
شاعری کی مجموعی اکائی سامنے آتی ہے جو محبت، اجتماعی بے حسی، بے چہرگی، عدم
شناخت اور آسیب زدہ تنہائی کے حوالے سمیٹ کر انسانی زندگی کے رنگ مرتب کرتی
ہے اور ایک سوال چھوڑ جاتی ہے۔

نہ جانے کب یہ مطلع صاف ہوگا
رنگوں کی یہ تصویر یہ وہ ذہنی خاک ہے جو اظہار کی کتاب پڑھنے کے بعد میرے
ذہن میں ابھرا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ شاید یہ اظہار کے شعری رویوں کی
دریافت کر سکے ہمارے شعری ماحول نے عہد کے مناظر اور شرق کی اجتماعی سائیکلی
سے مل کر سفر اور اس کی راہیں متعین کر سکے۔ پتہ نہیں ایسا ہو بھی سکے یا نہیں پھر بھی جو
میں نے سوچا صاف صاف کہہ دیا۔ سچائی اور صوری رہی یا پوری میں کیا کہہ سکتا ہوں
فیصلہ آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔

مضمون کے آخر میں، میں اظہار کی نظم ”امکان“ سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں
مجھے اظہار کی شاعری کے اکثر حوالے اس نظم میں جمع ہوتے نظر آتے ہیں۔ محبت،

انقلاب اور داخلی المیوں کے کئی نقوش ابھرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ سکوت سے کلام تک اور کلام سے سکوت تک، انقلاب سے محبت تک اور محبت سے انقلاب تک کئی صورتیں نظر آتی ہیں اور اجتماعی فکر بھی کہ ہمیں کہاں سکوت کا قرینہ رکھنا ہے اور کہاں جمود کی تخریب کا۔

میں چپ رہوں گا تو میرے اندر

خود آگئی کا سفر ہے گا

گھٹن بڑھے گی

تو سارے موسم

لباس اپنا اتار دیں گے

پھر آئینے بھی شناخت اپنی نہ سہہ سکیں گے

یہ تہمتیاں بھی

چناہ لیں گی محوستوں کی ولایتوں میں

پرندے اڑاڑ کے بحر کابل میں جاگریں گے

شکار ہوں گے تمام سپنے

اگر میں یوں تو پھر بھی بھری ہوئی ہوں

کسی درد سے کی خواہاں کر

میرے ارادوں کو نوچ لیں گی

میں سچ کہوں گا تو میرا لہجہ غبار بن کر

ترے سر پہ کوڑا خانپ لے گا

تو تبسم شفق کی سرخی میں بارپا کر

بچھے گاشب کی سیاہیوں میں

عجیب الجھن میں مبتلا ہوں

سو میں نے سوچا ہے میرا کیا ہے

گلاب اپنی ہنسی لٹا کر

قرار پاتے ہیں خوشبوؤں میں

اب اس قیامت میں زندہ رہنا ہے یونہی ممکن

میں تیری سانسوں میں رتے کئے اپنی

لفظتوں کا ہجرم رکھوں گا

تری نگاہوں کو روشنائی عطا کروں گا

خود اپنے من کا دیا بچھا کر

سمیل احمد لیکچرر شعبہ اردو جامعہ پشاور

17 مارچ 2003ء

کس طرح اگلے مراحل میں تخلیقی منظر نامے کو تبدیل کر کے رکھ سکتی ہے گویا وہ تخلیق کو پرکھنے کے برعکس اس میں اپنے لاشعور کے گمشدہ خوابوں کی سنگت خوردہ تہمیریں ڈھونڈنے کے درپے رہتے ہیں یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے کہ ذہن کو تخلیقی نکل کے ساتھ ملانے کا کرب کیا ہوتا ہے اور بے روح لفظیاتی پیکر تخلیقی بالیدگی پر کس طرح اپنے منہوس سائے ڈالتے رہتے ہیں وہ تو بس اپنے بے باکانہ انتقادی تشدد اور بے رحمانہ انا نیت کا سلسلہ دراز رکھنا ناگزیر خیال کرتے ہیں جب اس طبقے کے ہاتھ میں قلم آتا ہے تو پھر یہ نہیں دیکھتا کہ کیا لکھنا ہے اور کیا نہیں لکھنا ہے یوں وہ نہ فقط تخلیق کے تقدس کا چہرہ نوچنے لگتے ہیں بلکہ لفظ کی حرمتوں کو بھی پامال کرنے لگتے ہیں۔ مقصود یہ بھی نہیں کہ خدا نخواستہ میں نقاد کے کردار کی نفی کرنا چاہتا ہوں بلکہ یہ واضح کرنا میرے لئے نہایت اہم مسئلہ ہے کہ تخلیق کار کے لظن میں جمالیاتی آہنگ سے معمور جو کائنات انگڑائیاں لیتی رہتی ہے نقاد اگر اس کی سرشاریوں اور عنایوں سے آنکھیں بند کر کے اس پر اپنے وسوسوں کا آہنی جال بھینکنے لگے تو تخلیق کے افادی پہلو سمیت اس کا حیاتی اور اک اور جمالیاتی آہنگ نظروں سے اوجھل ہونے لگتا ہے۔ ان خدشات کو نگاہ میں رکھ کے میں نے ماضی میں تخلیق اور شاعرانہ ذوق کے درمیان کسی تیسرے اضافی حوالے کو حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہی محسوس نہیں کی تاہم اب کے یہ محسوس ہوا کہ یہ تیسرا حوالہ سو فیصد غیر ضروری بھی نہیں۔ یقیناً اس بہانے تخلیق کو کریدنے کے بہانے بھی ہاتھ آسکتے

ادھوری سچائی.....؟

تخلیقی اکائی کے آئینے کو کھر درے ہاتھوں میں دہالینا وہ ناروا عمل ہے جو تخلیق کو گرفت میں لا کر ان کی تمام تر عنایوں کو ہوا میں تحلیل کرتا رہتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے نقاد کا وجود اکثر تخلیق کاروں کیلئے زیادہ دلفریب نہیں رہا ہے۔ اور پھر اکثر ناقدین کیمرے کی آنکھ سے تصویر لینے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ وہ تخلیق کی اکائی کے عکس اور جہتوں، سمت اور زاویوں کو دیکھنے کی بجائے ایک نامعلوم افق کی دھند میں کھو کر تخلیقی سچائی کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھتے ہی اس پر نہ صرف ہلہ بول دیتے ہیں بلکہ اسے اپنی اکائی سے الگ کرنے کے لئے بھی پرتولنے لگتے ہیں اور پھر اس دیکھا فساد کو حاصل انتقاد بھی سمجھتے لگتے ہیں یہ سوچنا تک نہیں چاہتے کہ سمت کی تبدیلی

ہیں اور ان مباحث سے ذہن میں نئے درجے کھلنے کا امکان بھی رہتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں میں نے اپنے عہد کے خیالات اور ان سے تخلیقی ہم آہنگی کا راستہ ہموار کرنے کیلئے اسمیل احمد صاحب کا انتخاب اس لئے کیا کہ وہ ادب کی روح کو مقدور بھر اپنے اوپر طاری کر کے سچ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں یقیناً اسمیل احمد صاحب کا نام ادبی حلقوں میں زیادہ معروف نہیں لیکن میرے نزدیک غیر معتبر ہرگز نہیں۔ وہ بڑے بڑے ناموں کی اس بنہرکاری سے بھی پیدل ہیں جن کا ذہن تخلیق کی کریمیں بانٹتے ہوئے جنگوں کو چھوئے بغیر محض اس پر رائے زنی کا شوق پورا کرتا ہے اور اس کو تاہی کے باوصف اپنی دراز قامتیوں کی اوٹ میں ہو کر مسکراتے رہتے ہیں۔

بہر تقدیر اسمیل صاحب کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری خواہش کو رد نہیں کیا یہ دوسری بات ہے کہ ان کے تاثراتی مدوجذر سے اختلاف کرنے کے کئی اسباب اور قرائن بھی موجود ہیں۔ البتہ ادبی دنیا سے ان کی والہانہ وابستگی اور ان کے فنی خلوص میں کام کرنے کو اس مرحلے پر کم از کم میں اپنے اوپر اس لئے حرام تصور کرتا ہوں کہ ان کے مطابق ہر ذہن کی اپنی چٹائی ہوتی ہے۔ حالانکہ عالمگیر چٹائیوں کو اپنے موڈ پر منحصر سمجھ لینا میرے نزدیک نہایت داخلی رومانیت کا پرتو ہے کیونکہ چٹائی اگر مطلق بھی ہو پھر بھی وہ مقید نہیں آزاد ہوتی ہے۔

”ایس کا خواب زندہ رہنے دے“ کو آپ کے ذوق کی نذر کرتا ہے لیکن پہلے کچھ امتزافات یہ کہ شاعری کے تناظر میں تخلیق کا موجزن سمندر مجھے جہاں جہاں لے جاتا رہا ان راہوں پر میں بہتا، لہراتا اور بل کھاتا چلا گیا اور اس بہاؤ کا راستہ نہیں روکا اور یہ کہ تخلیقی تجربے کو میں محبت کی مانند سمجھتا ہوں جو پہلی نگاہ میں قاری کو گھائل تو کر دیتی ہے لیکن اس کی ہمہ گیر وسعتیں اور ڈانٹے ایک عمر بسر کرنے کے بعد رفتہ رفتہ اور بتدریج کھلتے ہیں، اب اجازت۔

خدا نگہبان

آپ کا

اظہار اللہ اظہار

17 مارچ 2003ء

فہرست

صفحہ نمبر

3

اظہار اور جدید شعری رویے

17

ادھوری سچائی

30

شہر کی آوارگی کو چھوڑ کر جاؤں کہاں

31

یہ بگڑتی ہوئی تصویر بنا سکتے ہیں

33

ہوا ہے قتل محبت کا خواب آگن میں

35

گم شدہ شہر کے آثار نظر آتے ہیں

37

یہ مرے قتل کے آلات نہیں ہو سکتے

39

پگلی

40

ہونٹوں کو چوم لیتا ہے آکر وہ قہر میں

42

پھیلی ہیں ہر سوراہ میں، کس دشت کی پر چھائیاں

44

مسکرا دے گا مگر چاہ نہیں کر سکتا

45

ہوش میں آیا ہے وہ، گرمی جذبات کے بعد

48

تیر نکلا کمان حائل ہے

50

رک گیا ہے کوئی روانی میں

52

لمس کا خواب زندہ رہنے دے

57

کسی دلہیز پہ درباں نہیں ہے

59

فراواں تعبیر

60

میں درد کی آغوش میں بیدار رہا ہوں

62

میں استعارہ ہوں موسموں کا

64

مجھ میں سارے جو میری پہچان بن گیا

66

کہہ رہا تھا کوئی روانی میں

68

امکان

71

نقطہ

72

میں لٹ چکا تو قیامت اٹھا کے کیا کرتا

74

ماورا

76

نظر میں وسعتیں ہیں آنکھ میں غرور نہیں

- 101 سوچتے ہیں کوئی تدبیر نہیں کر سکتے
104 پیار کے خواب میں ترمیم ضروری تو نہیں
106 اکائی
109 انکشاف
111 آرزو جسم کی مہکار میں کھو جائے گی
113 پریشانی
114 سفر
115 گلی میں شام کے سائے دراز ہونے لگے
118 آس
119 اُس میں جستجو نہیں، اس میں انہماک ہے
121 بھڑک چلی ہے عداوت کی آگ بہتہ میں
123 پھر آئینے نے مری شکل بھی نہ پہچانی
125 تارا تارا ٹوٹ کے کھروں، جگنو جگنو روتا ہوں میں
127 افق کے پار جگنو جا بسا ہے
129 سپردگی بھی یہاں سخت امتحان میں ہے

- گھنٹیاں
78 کندہ
79 شہر میں آگ بھڑک سکتی ہے، کم کم جاؤ
80 جگنو مری نگاہ کا، شامل ہو کس قطار میں
82 اپنے آنچل سے ذرا پوچھے تمہاری میں
84 گنگنگو میں مہک اٹھتے ہیں ترے بس کے پھول
84 اک شکست آرزو کی بڑھی لوٹ آئے گی
85 نجانے
87 کرن
88 سطح آب پر سورنگ کی گل کاری ہو
89 پڑاؤ
91 من میں روپوش اک ستارہ ہے
92 تنہی
95 زینت کی آنکھ میں کس آس کی سرشاری ہے
96 زندگی اپنا ہی سرمایہ گنو اٹھتی ہے
98

- 156 جہاں دل ہے وہاں ارمان نہیں ہے
158 صداؤں کی تصویر
159 ہم سے کیا گریز نہایت لگاؤ سے
162 سفر بے سمت، رستے در بدر ہیں
164 شہرِ بلقیس میں خوابوں کا بھرم دیکھا ہے
166 اٹھی ہیں انگلیاں ہم پر عذاب بھی آئے
167 دیدہ ور
168 ہونٹ گنگناتے ہیں اور روح گھائل ہے
170 وقت کے پاؤں کی زنجیر نہیں دیکھو گے
172 پتھر کی آنکھ میں کوئی تصویر کھو گئی
174 میں غزل میں سانس نہیں سکتا
176 حاصل درد ہو گیا ہوں میں
178 دوڑی یہ کیسی اہر شفق میں خمار کی
180 ایک لمحے کو چاہ لیتا ہے
182 ہوا کے پاؤں میں پائل ہے، ہم کو رقص کرنے دے

- 131 زندگی کا لباس تھا سیلا
133 تمازت
134 تموج
136 ممکن نہیں ہے ہاتھ پہنچنا گلاب تک
138 پرواز
140 پاکیزہ
141 روپ
143 رات کو صبح کی دلہن پر لے جاتا ہے
145 حادثوں کا سفر
147 یہ واقعہ تو کسی سانچے سے کم ہی نہیں
149 گرفت
150 آئینہ ٹوٹا ہے زنجیر کی آواز سنو
151 تجربہ
153 زیست کا یہ عذاب تھوڑا ہے
155 اک کرن نے کرن کو لوٹا ہے

- 208 پیار کا رنگ ہی نرالا ہے
210 پیار کے خواب کو شرمندہ نہیں چھوڑے گا
212 کہکشاؤں نے آسمان توڑا
214 چوم لو پیار سے مری تصویر
216 کوئی رشتہ تو اپنی اصل سے ہے
217 کبہر
219 ذرہ ذرہ ہے برسرِ پیکار
221 قتل
222 رات کو صبح کی تصویر کہاں لے جائے
224 نارسائی
225 پھول میں رنگ ہے نہ باس کوئی
227 ناتمام
230 تعین
233 یلغار
235 فریب

- 184 سجا کے آنکھ کو، آئینہ توڑ دیتا ہے
186 زندگی راہ میں بے حال کھڑی روتی ہے
188 زندگی اپنے کسی خواب پہ مغرور نہیں
189 آئینہ اُس نے توڑ ڈالا ہے
191 شکست
192 گیتوں میں وصل کے کرب کی شہنائی ٹٹ گئی
194 بارشوں کی نذر ہے سودا مری تعمیر کا
197 نت نئے پیکروں میں ڈھلتا ہے
199 کرچیاں
200 پانیوں میں گلاب بننے دے
201 میرے خوابوں کا گھر جلا دو گے
201 پھول روتا ہے پھول ہنستا ہے
202 سحر
203 محبتوں کی خیر ہو، نروپ ہے ندرنگ ہے
206 خوشبو کو بکھیرا ہے اگر خاک رہی ہے

شہر کی آوارگی کو چھوڑ کر جاؤں کہاں
میرے گھر میں بھی مری تنہائی کا آسب ہے
عورتوں کے دہرے اظہار

- 236 کرچیوں کو سنبھال کر رکھنا
237 میں تری نبض پہ جب ہات نہیں رکھ سکتا
239 تناظر
241 لمس کا دائرہ بنتا ہے
243 تعبیر
244 سمجھوتہ
245 دستک
246 داؤ
248 جاگتی آنکھ میں جب رات اتر آتی ہے
250 آہٹ
251 کہکشاؤں کے برابر آ گیا ہوگا
254 برہمی آنکھ کی پھیلی ہوئی، قندیل میں ہے





یہ بگڑتی ہوئی تصویر بنا سکتے ہیں
 پیار کو باعثِ توقیر بنا سکتے ہیں
 تیری آنکھوں میں اداسی کے یہ جگنو کیسے
 زندگی! ہم تری تقدیر بنا سکتے ہیں
 سنگ کو لمسِ گلابوں کا عطا کرنا ہے
 ورنہ مشکل نہیں شمشیر بنا سکتے ہیں

عزت

تلاش

بھرتے ہوئے خواب

لمس کے خواب پہ پتھراؤ نہیں ہے منظور
 چاند کو لائقِ تسخیر بنا سکتے ہیں
 ہزاروں کی ہزاروں
 ہوا کے سائے پنوں
 کا ایک عالم! مراد
 ہونا

جمعونا

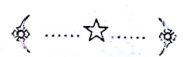
اڑتے آچل کو جواک لمس کی سرشاری دے
 ہم صداؤں کی وہ زنجیر بنا سکتے ہیں

اس طرح گھٹتا ہے نغموں کا ترنم ورنہ
 ہم بھی خاموشی کو تقریر بنا سکتے ہیں

اپنی پامالی کا یار نہیں ورنہ پگی
 دوسروں کی طرح جاگیر بنا سکتے ہیں

ہماری اپنے زمانے کے ہیں بے حد عیار
 گل کے کھل جانے کو تقصیر بنا سکتے ہیں

اپنی رسوائی بڑی بات ہے ورنہ اظہار
 ایک آنسو سے کئی میر بنا سکتے ہیں (میر تقی میر)





ہوا ہے قتل محبت کا خواب آگن میں
ہلک رہا ہے بدن کا گلاب آگن میں

پرنڈے امن کے، شاخوں سے اڑتے جاتے ہیں
اتر رہا ہے یہ کیسا عذاب آگن میں

اڑا گئی ہے ہوا زندگی کے پیرامن
بکھر رہی ہے وفا کی کتاب آگن میں

سنگ اٹھے گا کسی کا شاب آگن میں
فرقت کی برف گرتی ہے

بہک نہ جائے ستاروں کا آسماں سارا
عروس شب نے اتارا نقاب آگن میں

اک انتظار کا پرکیف گیت گاتی ہے
وہ آدھی رات کو لے کر رباب آگن میں

شجر کی شاخیں ہواؤں کے ساتھ ابھی ہیں
شمر تو آئیں گے زیر عتاب آگن میں

یہ کس کا روپ ہواؤں میں ہو گیا تحلیل
برس رہا ہے کوئی اضطراب آگن میں

زلا گئی مجھے جاڑے کی چاندنی اظہار
اکیلا رہ گیا اک ماہتاب آگن میں

گم شدہ شہر کے آثار نظر آتے ہیں
 سلسلے سارے پڑا سار نظر آتے ہیں
 آکھ غریانی کی تصویر چڑا کر لائی
 سب اجالے یہاں بیمار نظر آتے ہیں
 کون دیتا ہے انہیں چاند پہ جانے کا فریب
 لوگ سب پیار سے بیزار نظر آتے ہیں

تشانہاں

ننگی آنکھ - مراد بے پردہ آنکھ

پیار کے زعم میں ہم پال گئے اور ہی روگِ غم لائے
 یہ بھی اس شہر کے آزار نظر آتے ہیں

اپنے آنگن کے گلابوں کی طرف بھی دیکھو
 ان کے چہرے بھی تو گلہار نظر آتے ہیں

انار کے اور جسم جس سے پہلے نہیں ہوا بکول
 ٹرا ہوا سرخ زعفران کی لہولہول

لوٹ لیتا ہے کوئی چاند کا رقصاں آنچل ڈانس کرنا
 تفتے رات کے بیدار نظر آتے ہیں

کوڑھ، آفتاب -
 چھوٹا عتیل

دل کو لہو نہا، دل کو کس کرنا

رقص کرتے ہیں دلاویز برہمنے پیکر ننگے جسم
 عکس آئینے کے سرشار نظر آتے ہیں

ڈانس

آدمی کیا کوئی سایہ بھی نہیں ہے اظہار
 شہر کے کوچہ و بازار نظر آتے ہیں

☆.....

پلے آئے آنکھ سے کوچ کریں پیار کے جگنو اڑ کر
انہو ہوا انہو ہوا اتنے تاریک بھی حالات نہیں ہو سکتے

جو ترے جسم کو بازار میں لے آتے ہیں
وہ تری روح کے نعمات نہیں ہو سکتے

میں نے پھولوں کے بدن آگ میں جلتے دیکھے

تہمتیہ امن کی آیات نہیں ہو سکتے

☆.....☆.....☆

ایک شعر

قافلہ آگے بڑھا جنگل سے، آدھی رات کو

اور میں گم ہو گیا تھا گونج کی آواز میں

☆.....☆.....☆ گونج - ہنسنے والی - آواز

یہ مرے قتل کے آلات نہیں ہو سکتے
مرے دشمن مرے جذبات نہیں ہو سکتے

چوڑیاں کابچ کی کیوں توڑ رہی ہے پگلی
ایسے خالی بھی مرے بات نہیں ہو سکتے

یہ گداگر انہیں تحقیر سے ٹھکرا دیں گے
چند سکتے یہاں خیرات نہیں ہو سکتے

مسکرا کر میری تصویر کا بوسہ لینا

اس طرح کم مرے خدشات نہیں ہو سکتے

فخر - حشمت - دل - اندیشہ - سوچ
تجربہ - خردوشی



ہونٹوں کو چوم لیتا ہے آکر وہ قہر میں
شائد علاج اپنے غموں کا ہے زہر میں

آئینے کو زبان عطا ہوگئی ہے کیا
پتھر کے ٹوٹنے کی صدائیں ہیں شہر میں

بندوق چل گئی ہے کہیں آس پاس ہی
مرغان خوش، چباک سے گرتے ہیں نہر میں

اک ماہتاب کہہ گیا چہرے کو پیٹ کر
جاہز - چاہری

ناگن نے سایہ ڈال کے کاٹا ہے مہر میں

پیارے دوستی - جین - سورج - عہد سکینہ
شمسی جینے کی سوا کوئی تاریخ

پگلی

میرا ساعیتیں مجھ کو فریب دینے لگیں

سننا

مرے وجود میں شہنائیاں سے گونجی ہیں

مستہو باجہ باسری

دبکتے لمس کا جھونکا مجھے نہیں چھوتا

چھوٹے والی اسٹ

میں ایک آہ کی گرمی تلاش کرنے گیا

تھا - فریاد

سو اپنے سائے میں پھر کپکپا کے لوٹ آیا

مردی کی چھوٹے

اگر میں تاروں سے جو کلام ہوتا ہوں

موت مینا، جو کلام
سائنسہم جانا باسری کہنا

ہوائے سرد اڑاتی ہے میری پینائی

سینے

تمام رات بدن کے شرار کھلتے ہیں

چٹھاری

کہ برف باری کا موسم ہے اور مری پگلی

میری نصیب کی چادر بھی اوڑھ کر سوئی

ہیں ☆.....☆.....☆

ماہنامہ 2012

ماہم کناں ستارے ہیں جنگو کی موت پر

جلتے ہیں ایک پل کو تو بجھتے ہیں پہر میں
رہتا ہے تو کجا تو ہمارا ہر

یوں چوڑیاں اتار کے کیوں رو رہی ہے تو

یہ حادثے تو آتے ہی رہتے ہیں دہر میں
دُمانے میں موت

اظہار زندگی بھی کہاں حسبِ حال تھی

آواز اپنی دب گئی آئے جو لہر میں

(گرفت سے بعض تراویم کے ساتھ)

ایک شعر

☆.....☆.....☆

ٹوٹی جاتی ہیں بس ایک ذرا لغزش سے کونہی تیللی

چوڑیاں بھی میری قسمت کے ستارے نکلیں

☆.....☆.....☆



پھیلی ہیں ہر سوراہ میں، کس دشت کی پر چھائیاں

زنجیر کی آواز ہے، بجتی نہیں شہنائیاں
بازار، شہر، مہنگا

دم گھٹ گیا جذبات کا، اور ساز بجتے ہی رہے

بے پیر بہن آغوش میں لٹتی رہیں دانائیاں
بے فہم - فتنے دانائی کی ہے قہقہہ

جذبات کے گرداب بھی، ہم کو ڈبو سکتے نہیں

کس جھیل میں گم ہو گئیں، اُس آنکھ کی گہرائیاں
دور طرز کے نور سے مہنگا
پانی کا ٹولہ چم

میسرا دے گا مگر چاہ نہیں کر سکتا
گل کا کھلنا مجھے بے راہ نہیں کر سکتا

تیرگی میں جو سفر ہم نے کیا ہے پیہم
وہ کوئی جسم کے ہمراہ نہیں کر سکتا

جھکو ہر حال میں چاہت کا بھرم رکھنا ہے
جاں نکلتی ہے مگر آہ نہیں کر سکتا

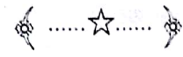
پیار کا جرم بھی الہام ہے گویا اظہار
گاہ کر سکتا ہوں اور گاہ نہیں کر سکتا

مقام - وقت - نعت - فیہ
یار موصوفہ کہی ہوگی
سماں - دقت
مراد کسی جگہ کر سکتا ہوں کسی جگہ نہیں

شہزادہیوں کے سلسلے، کس لمبے میں مدہوش ہیں
ماٹھے پہ کالک مل گئیں، اک پھول کی زیبائیاں

تم کو نظر آتی نہیں، اس عہد کی تصویر میں
بے چیریاں، حیرانیاں، تنہائیاں، رسوائیاں

اظہار میری برہمی، آنچل کا لہرانا نہیں
لیتی ہے میرے رویے، وہ شوخ کب انگڑائیاں



ایک شعر

گھر کا دروازہ اگر گیا لیکن
دشمنیں بچ رہی ہیں آنگن میں





ہوش میں آیا ہے وہ، گرمی جذبات کے بعد
دن کا تھمہ مجھے لوٹا دیا اک رات کے بعد

بوتے کی خواہش

لمس کے خواب نے تعبیر کا آنچل تھاما
چاند گل کر دیا اس آنکھ نے خدشات کے بعد
چاند کو چمکا دیا

میں نے آغوش میں مہکایا ہے پھولوں کا شعور
مسکرا لیتا تھا بیساختہ، ہر مات کے بعد
بے ارادہ تھی البتہ ہم

یوں نہ ہو بارشیں بہتی کو بہا لے جائیں
قبر اترے نہ کہیں پیار کی آیات کے بعد

ایک بنگامہ سا برپا تھا کسی آنگن میں
خامشی چھا گئی کیوں چاروں، بارات کے بعد
چار دروازے

یاد کر کے جسے اک سحر میں کھو جاتا تھا
یاد کر کے اور گم صم ہوا میں اس سے ملاقات کے بعد
ایک جادو

دراہ دہلے والی منتظر تھا کہ وہ چھڑے گا فیضانہ دل کا حصہ
منتظر جس کا اس نے کچھ بھی نہ کہا "شکوہ حالات" کے بعد
انتظار میں رہا

اب محبت کا کوئی ساز نہ چھیڑو ورنہ
جاگ جائیں گے کئی فتنے بھی نعمات کے بعد

یہ بھی شائد نمرے احساس کا دھوکہ ہوگا
بددعا تو کوئی دیتا نہیں، سوغات کے بعد
عمرہ چھینے - عمرہ چھینے

بے حس کیوں ہے، فقط اتنا کہا تھا اظہار
اک قیامت سی اٹھی شہر میں اس بات کے بعد



بے جان



تیر نکلا کمان حائل ہے درمیانی
گفتگو میں بیان حائل ہے

رک نہ جائے سفر ستارے کا
راہ میں آسمان حائل ہے

چاند اترے گا کس کے آنگن میں
درمیاں اک جہان حائل ہے

مری آغوش کے مہکنے میں
کب زمان و مکان حائل ہے

رک گیا ہے کوئی روانی میں
جھول آئے گا اس کہانی میں

کس کو نگلا ہے پھر سمندر نے کھا لیا
بلبلے بن رہے ہیں پانی میں

چڑھتے دریا کے پاس مت جانا
مار ڈالے گا مہربانی میں

اڑتی زلفوں کی راہ میں کب سے
کہکشاں کی اڑان حائل ہے

سناروں کی ہر مٹ
جو سڑک کی ماترہ دکھائے
رہتا ہے

اس گماں میں یقیں کی تلخی تھی
اس یقیں میں گمان حائل ہے

درد کی تیز دھوپ میں اظہار
روپ کا سائبان حائل ہے

چھوٹے چھوٹے ہنساہ ماہ

☆

ایک شعر

شام کی پلکوں پہ تاروں کا سفر رک سا گیا
دھڑکنوں سے ساز چھینا ہے کہیں مہتاب نے

بارہا

☆

چاند چاندنی

لمس کا خوابہ .. چھوئے والے خواب زندہ رہنے کے لئے
زندہ رہنا ہے
دور بیرونا کھلی جانا

لمس کی خواہش

لمس کے انکشاف کے پیچھے

چھونا

نجم، پریشانی، پھمنا

عقل حیرت فروش ہے کب سے

لمس ماں کی دعا کا دامن ہے

لمس آغوش ہے صداؤں کی

سوز، ہنسی، ہنسی

لمس دوشیزگی کی دھڑکن ہے

لمس اک قہقہہ ہے بچے کا

لمس کا اختصار آنسو ہے

نہلاؤں سے کھڑا، کھڑا، منقہ کرنا

زندگی، نزار، کی فریخ
مرد

جس میں پہنائیاں ہیں ہستی کی

پہنائیاں، چھوئے، روموں، زندہ

ر سے پڑی گری، قلندر کی
مر گیا ہے کوئی جوانی میں
تھلنڈر موہن کی طرف اشارہ

اس کی تصویر کہہ گئی، اظہار

غم بھی ملتے ہیں شادمانی میں
خوشی خوشی

☆.....

ایک شعر

آنکھ ہیرا نگل گئی لیکن سمجھتا

آگ لگتی نہیں سمندر میں

☆.....

مس خوشبو کا پھول ہے لیکن
اپنے من میں سا نہیں سکتا
پھوٹے اس سے ہیں کئی چشمے
رقص کرتی ہے کہکشاں اس میں
گنگناتا ہے اک جہاں اس میں
مس کے آسمان میں پیہم
جلتے بجھتے کئی ستارے ہیں
مس مہتاب کی کہانی ہے
مس کی چاندنی کی ٹھنڈک سے
آرزو کے لہو میں گرمی ہے
مس اک صبح کا فیضان ہے
مس اک شام کی کہانی ہے

مرا دل

نکلتا

کئی نام نہادوں کی
لکھیے

چاند چاندنی

توں

جلد پہاں

مس بیوی کے پیار میں پنہاں ہے پر شہید
ایک ناموں کی فراوانی - کسرت - زیادتی
اس کا پاکیزگی سے رشتہ ہے
مس اس دیس کا فرشتہ ہے
مس جگنو کی آنکھ کی بلبل
مس کرونوں کا مہرباں آنجل
مس تھلی کا گدگدانا ہے
اڑ کے جانا ہے اڑ کے آنا ہے
مس کے دائرے میں سب کچھ ہے
مس ہے کارواں پرندوں کا
مس سپنوں کا آشیانہ ہے
اس کا فردوس میں ٹھکانا ہے
کویں جنت

میں تاج - عزت - آواز
میں - مہر - آلا - فرشتہ
دستور - شرح

شیر

پشت - اور - راجی

شعاع

نواب

اہل میں فرستادہ ہے
سچا ہوا - مرل - رسول
اپنی - خدا کی خلق

پینتو - تبت - نول

عمر - کو - تہ - عمر

۱۷۶
 مس رسوائی کا تقدس ہے پاؤں
 مس کے کپکپاتے ہونٹوں پہ
 ۱۷۷
 جیتے لحوں کا گیت جاری ہے
 مس احسان کا خزینہ ہے
 زندگی کا نیا قرینہ ہے
 مس اک وقفہ ہے سوالوں کا
 اک اجالا کئی اجالوں کا
 ۱۷۸
 مس ساحل بھی ہے سمندر بھی
 مس قطرہ ہے اس پسینے کا
 راستہ جو دکھائے جینے کا
 مس میں خون کی روانی ہے
 مس پتھر ہے مس پانی ہے

فرمان
 طریقہ

۱۷۹
 مس دیوتا ہے مرے آنگن کا
 زندگی کہہ رہی ہے رہ رہ کے
 نفس کو درمیان مت الجھا
 پانیوں میں گلاب بنے دے
 مس کا خواب زندہ رہنے دے
 ☆

ایک شعر

مس کے خواب نے تعبیر سے بیزار کیا
 گھر کے آنگن میں کس آغوش کے سپنے ٹوٹے
 ☆

میں آئینے سے رشتہ توڑ آیا
مرے دل میں کوئی ارماں نہیں ہے

شکلے۔ ساز کوئی کہہ رہا تھا
مجت بے سرو ساماں نہیں ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

اس کی زلفوں میں جو کھلتا ہے وہ خوشبو کا گلاب
شہر کے چوک میں طوفان اٹھا دیتا ہے

﴿.....☆.....﴾



پورا چوک ہے کسی دہلیز پہ درباں نہیں ہے
تو گویا شہر میں انساں نہیں ہے

میں اڑنے کا ہنر بھولا ہوا ہوں
کوئی آندھی، کوئی طوفان نہیں ہے

میرے اندر سمندر موجزن ہیں
مجھے اس بات کا عرفاں نہیں ہے

بھجان

میں درد کی آغوش میں بیدار رہا ہوں
یہ جیت کا دھوکہ ہے اگر ہار رہا ہوں

دم گھٹتا ہو جس طور پرندوں کا ہوا میں
اک ایسی اذیت میں گرفتار رہا ہوں

غازہ ہیں مرے خون کا، موسم کی بہاریں
آئینے سے میں برس پیکار رہا ہوں

جگنو نہیں پر رات کو تڑپا ہوں مسلسل
تارہ نہیں پلکوں پہ مگر بار رہا ہوں

پدبستو - باپائے

نہ سنا کے غویٰ پڑھ کر
قرآن تکرار پر مسرور تھا

فر اواں تعبیر

تیری آواز کی سختی ہے قیامت ہدم
پھول خوشبوؤں کے احساس سے نالاں کیوں ہے
تو نے گرتے ہوئے پانی کا سماں دیکھا ہے
تجھ کو معلوم ہے ریشم کی فراواں تعبیر
آزمائش کا کوئی مرحلہ جب آتا ہے
آئینہ توڑ کے رکھ دیتا ہے پتھر کا غرور

☆.....

جان! تعبیر کی زلفوں میں الجھنا بے کار
یہ غنیمت ہے کہ خوابوں کا سفر جاری ہے

☆.....

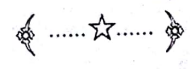
ایک
شعر

صبحِ وفا بھی
منصف کی نظر بھی ہے میرے قتل کی درپے درپے
میں باعثِ بیداری پندار رہا ہوں
دائیم غمور - دائے - شان

سوزش
یہ دل کی خلش چین سے رہنے نہیں دیتی
اک خواب پہ میں سارا جہاں وار رہا ہوں

لائے ہیں
لا تلحیٰ مجھے سامنے بیٹے ہوئے لمحے
تہذیب کے ہر عہد کا شاہکار رہا ہوں
سہمور - غمور

دستکروں سے مارنا
دستگسار یہ آئینے مجھے کیوں نہیں کرتے
اظہار میں چاہت کا گتہگار رہا ہوں
محبت



علم بیان کی ایک قسم جیسے کسی پتھر کو کسی چھتر تھرا دیا استعارہ آئینا ہے
میں استعارہ ہوں موسموں کا

وہ چاند اپنی لطافتوں کو سمیٹ کر بھی
شناخت اپنی گواچکا ہے
ہوا کے جھونکے نہیں اڑاتے
کسی کی نیندیں

جادو
جب آنکھ کھلتی ہے اک ذرا سی
تو خواب مرتے ہیں آئینے میں
نبکی فسانہ ہے روز و شب کا

بدن کو خوشبو کا لیس دے کر
بھارت دیکھنا بھارتوں کو فریب دینا
اب اس تسلسل کو توڑنا ہے
جو میرے من میں کہیں چھپا ہے
دل - جسم

میں اسِ الاؤ میں کود جاؤں
تو برف پگھلی گی بے بسی کی
سمندروں میں شعور جاگے گا زندگی کا
ایمٹنگ ہوگی لبوں میں پیدا
تو پھول مہکیں گے وادیوں میں
پرندے چمکیں گے لوٹ آئیں گے آشیاں میں
کھلیں گے مٹی کے رنگ سارے
بدن کو خوشبو کا لمس دے کر
بصارتوں کو فریب دینا
اب اس تسلسل کو توڑنا ہے
کہ مجھ میں پنہاں ہزار سز ہیں
پلوٹسہرہ میں استعارہ ہوں موسموں کا
☆.....☆



مجھ میں سما کے جو میری پہچان بن گیا
بدلا ہوا کا رنگ تو انجان بن گیا
وہ شور جس کے خوف سے سونا محال تھا
دروازہ بند کیا ہوا طوفان بن گیا
ڈرتا ہوں کوئی حشر نہ برپا ہو شہر میں
اک نکل آئینے میں پھر انسان بن گیا

لے جا رہا ہے مجھ کو جزیروں کے بیچ میں
وہ مستقل گریز جو میلان بن گیا
بھانپنا

منزل پہ جا کے میں نے اٹھایا نیا سوال
اک فائدہ تھا باعثِ نقصان بن گیا

اظہار کون جانے بھلا اس عذاب کو
وہ خامشی کا کرب جو اعلان بن گیا

☆.....☆.....☆

ایک شعر

بارشوں سے کہو کہ رک جائیں

اپنے آنگن کا پیڑ جلتا ہے
میرا دل جس کے انور دل

☆.....☆.....☆



کہہ رہا تھا کوئی روانی میں
آسماں بہہ گیا ہے پانی میں

چاہتی ہے کوئی نئی بندش
تنگ ہے چشم ، بیکرانی میں
نہارہ رہیں نہارہ

جسم کو چاٹنے لگیں سائے
کیا قیامت اٹھی جوانی میں

شہر میں اعتبار پائے گی
جھوٹ شامل ہے اس کہانی میں

امکان

میں چپ رہوں گا تو میرے اندر
خود آگے کا سفر کے گا
گھٹن بڑھے گی
تو سارے موسم
لباس اپنا اتار دیں گے
پھر آئینے بھی شناخت اپنی نہ سہہ سکیں گے
یہ تتلیاں بھی
پناہ لیں گی نحوستوں کی ولایتوں میں

رو برو اس کے، بات مشکل تھی
لٹ گیا زعمِ نکتہ دانی میں
بارِ لیلِ پستی

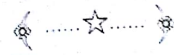
کتنا معصوم وہ سنگمر ہے
قتل کرتا ہے مہربانی میں

آنندھ طرمان
پھرغ
آندھیاں بے قصور ہیں اظہار
دبب بچتے ہیں بدگمانی میں



ایک شعر

یہ کس کی آنکھ نے شب کو اڑائے ہیں جگنو
زمیں پہ چمکنے لگا آسمان ستاروں کا



پرندے اڑ اڑ کے بحر کابل میں جا گریں گے
شکار ہوں گے تمام سپنے
اگر میں بولا تو پھر بھی پھری ہوئی ہو انیں
کسی درندے کی خُو اڑا کر
میرے ارادوں کو نوچ لیں گی
میں سچ کہوں گا تو تیرا لہجہ غبار بن کے
ترے سراپے کو ڈھانپ لے گا
ترا تبسم شفق کی سرخنی میں بار پا کر
بجھے گا شب کی سیاہیوں میں
عجیب الجھن میں مبتلا ہوں
سو میں نے سوچا ہے میرا کیا ہے
گلاب اپنی ہنسی لٹا کر

قرار پاتے ہیں خوشبوؤں میں
اب اس قیامت میں زندہ رہنا ہے یونہی ممکن
میں تیری سانسوں میں رنج کے اپنی
لطفوں کا بھرم رکھوں گا
تری نگاہوں کو روشنائی عطا کروں گا
خود اپنے من کا دیا بجھا کر





میں لٹ چکا تو قیامت اٹھا کے کیا کرتا
کسی کو خواب گراں سے جگا کے کیا کرتا

وہ جس نے اگلے قدم پر پھڑ ہی جانا تھا
میں اس کی مانگ میں تارے سجا کے کیا کرتا

زباں پہ جس کی کسی اور کا قصیدہ تھا
میں اس فریب کو گھر میں بنا کے کیا کرتا

نقطہ

اپنے من کی نیکرانی کے لئے
لازمی ہے ایک نقطے کا وجود
اپنے رنگوں کی بقا کے واسطے
اڑھنا پڑتا ہے خوشبو کا لباس
چشمِ بیبا میں یقیناً کچھ نہیں
بے حوالہ وسعتوں کا اعتبار
کیا کہوں ہم راز! اپنی زندگی
بدلیوں کے دوش پر اڑنا نہیں
آئینہ یہ کہہ رہا تھا ٹوٹ کر
کون کس کے سحر سے آزاد ہے



”ماورا“

کیا کہیں برق کی رفتار میں بک جاتے ہیں
ہم برستے ہوئے انوار میں بک جاتے ہیں

نکبھیں پیٹتی رہ جاتی ہیں سر کو ہائے
قیقہے رنگ کے گلزار میں بک جاتے ہیں

ہم گلابوں کی کہانی نہیں دہرائیں گے
بارغ میں کھلتے ہیں ، بازار میں بک جاتے ہیں

بہا کے لے گئی بستی کو جن کی طغیانی
ان آنسوؤں کو میں گھر میں بسا کے کیا کرتا

پھر اس نے یاد کی تصویر تک نہیں چھوڑی
گماں کا سایہ گلے سے لگا کے کیا کرتا

جب اس کا لمس ہی برفاب ہو چلا اظہار
اُسے میں دھوپ میں پیہم جلا کے کیا کرتا

☆

ایک شعر

تمام رات ستاروں کے دل دھڑکتے ہیں
یہ کس کی یاد کی آہٹ ہے گھر کے آئینے میں

☆

○
نظر میں وسعتیں ہیں آنکھ میں غرور نہیں
بلندیاں ہیں مگر سمت کا شعور نہیں

قدم اٹھانے میں اک عمر بیت جاتی ہے
یہ بات سچ ہے کہ منزل یہاں سے دور نہیں

نجانے پیار کی بستی اجڑ گئی کیسے
امیر شہر کی نیت میں بھی فتور نہیں

پھول موصوم سہی، نکبتیں بے داغ سہی
ان کا کھلنا ہمیں گم راہ نہیں کر سکتا

گل میں محصور ہے کب اپنے بدن کی خوشبو
اب ہمیں شہر کے آئینوں سے خطرہ کیا ہے
گھر سے نکلے ہیں کسی اور کے پیراہن میں

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

ریزہ ریزہ ہے میرا عکس نگاہ
آئینہ کیا فریب دیتا ہے

﴿.....☆.....﴾

گھنٹیاں

خاموشیاں ہوا میں بجاتی ہیں گھنٹیاں
لہجے بگڑ بگڑ گئے اعصاب تن گئے
اک لمس اپنی آس کی سرشاری کھو گیا
بے ذائقہ ہیں آنکھ کی لذت کشائیاں
شائد کسی کی آبرو لوٹی گئی ہے آج
برہم ہوئے ہواؤں میں سب تیلیوں کے رنگ
دوشیزگی کا روپ تھکن سے ٹڈھال ہے
تعبیر بھی تو خواب کی خواب و خیال ہے

﴿.....☆.....﴾

یہ بات اب مرے قاتل کو کون سمجھائے
میں مر تو جاؤں گا لیکن میرا قصور نہیں

یہ کس کی آنکھ کی سرشاریاں بلاتی ہیں
میں زخم زخم ہوں لیکن تھکن سے چور نہیں

یہ حادثہ میرے آنگن کو چاٹ جائے گا
بجھا ہے چاند تو کیوں مرے گھر میں نور نہیں

﴿.....☆.....﴾

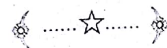
ایک شعر

اشک آنکھوں سے نکل آئے ہیں یہ سوچ کے پھر
ترے آنچل میں ستاروں کی جگہ خالی ہے

﴿.....☆.....﴾

کمند

آئینہ عکس عکس ٹوٹا ہے
وقت بہتا ہے ایک دریا میں
چاندنی میں اسیر ہیں نغمے
پھول کی آرزو کا کیا کہنا
ایک رکتے سفر کا نوحہ ہے
روشنی میں ہوا مگر تحلیل
جس نے خوشبو کا خواب دیکھا ہے
اپنی دھرتی کو چھوڑ کر ہم نے
کہکشاں کا عذاب جھیلا ہے
اڑ رہے ہیں جو اپنی بستی سے
ساتویں آسمان کو پا کر وہ
خاک داں پر کمند ڈالیں گے



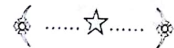
شہر میں آگ بھڑک سکتی ہے ، کم کم جاؤ
بے طرح تیز ہوائیں ہیں ، ذرا تھم جاؤ

ورنہ ہاتھ آئے گا تاروں کو بھٹکنے کا جواز
اس کا آنچل جہاں لہرائے ، وہاں جم جاؤ

آنچ دھیمی رہے جل جانے دو ہولے ہولے
رات تاریک ہے مدہم رہو ، باہم جاؤ

کارواں راہ میں تقسیم نہ ہونے پائے
سلسلہ توڑتے کیوں جاتے ہوں پیہم جاؤ

چاند کا سایہ ہر اک گھر پہ پڑا ہے اظہار
گاؤں میں لے کے کسی شہر کا ماتم جاؤ



ایک شعر

کعب سے ہجرت کے ارادوں میں لگن ہیں پنجھی
اپنی بستی میں وہ خوشبو کا شجر سوکھ گیا



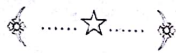
جگنو مری نگاہ کا، شامل ہو کس قطار میں
لو شام تارہ کھو گیا، تاریکیوں کے غار میں

دیوی ہو حسن کی مگر، میں تجھ کو کیسے چوم لوں
الجھا ہوا ہوں بے طرح، اپنی نظر کے تار میں

○
اپنے آنچل سے ذرا پوچھیے تنہائی میں
کتنے تاروں نے یہاں شام سے گم ہونا ہے
بے طرح تیز ہوائیں ہیں کوئی کیا جانے
کس کو آنگن سے کسے بام سے گم ہونا ہے



○
گفتگو میں مہک اٹھتے ہیں ترے لمس کے پھول
ورنہ جانم، کسے توضیح پسند آتی ہے
جب میں لیکچر میں تری یاد کے جگنو پکڑوں
لڑکیوں کو میری تشریح پسند آتی ہے



تنہائیوں کے قہقہے، رستہ ہیں روک کر کھڑے
چھوٹی اگر مجھے وہ شوخ، بستہ افق کے پار میں
اظہار اپنی چاہتیں، کب تک چلیں گی اس طرح
جب وہ ہوا کا رخس ہو اور ناتوان سوار میں

گھر کو اجاڑ کر مرے، رو رو کے کبہ رہی ہے وہ
یوں دل گرفتہ کیوں ہے تو، ہوتا ہے ایسا پیار میں



ایک شعر

آئینہ ہاتھ میں تھامے رکھو ورنہ پگلی
اپنی تصویر بھی تم کو نہیں پہچانے گی





اک شکستہ آرزو کی برہمی لوٹ آئے گی
لے ہوئی ساکن تو خوشبو پر کہاں پھیلائے گی

مار دیں گی مجھ کو اک تصویر کی حیرانیاں
سانس روکوں گا تو دھڑکن ہی ہوا ہو جائے گی

دیکھ کر پلکوں پر اک ٹوٹے ستارے کی تڑپ
بن کے ناگن وہ کرن ہستی میں پھن پھیلائے گی

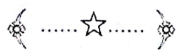
درمگر کھلتے ہیں خاموشی کی دستک پر کہاں
آرزو کیا درد کو آغوش میں بہلائے گی؟

میں اگر اظہارِ ساحل پر بسالوں کہکشاں
ایک چنگاری ہوا کو رقص پر اکسائے گی



ایک شعر

تصفیہ ہو گئے دنیا کے مسائل لیکن
تری زلفوں کے خم و پیچ ابھی باقی ہیں



نجانے

رواں ہے قافلہ منزل کی جانب
مگر رستہ بھٹک جانے کا ڈر ہے
سماعت کتنی آوازوں میں گم ہے
بہت بوجھل ہے اب کے دل کی دھڑکن
لگے ہیں ساتھ لٹ جانے کے خدشے
وفا کا چاند آدھا رہ گیا ہے
مقید ہے کہیں یادوں کی خوشبو
تھکن سے چور، گرتے ہیں پرندے
ہوا بیمار ہے موسم پریشاں
مرا حل کبر میں لپٹے ہوئے ہیں
نجانے کب یہ مطلع صاف ہوگا

☆.....☆.....☆

کرن

آثار نمایاں ہیں کسی شب کے ابھی سے
آغوش کُشائی میں مگن سائے ہیں سارے
تسلیم کہ دھندلایا ہے احساس کا سورج
دھڑکن میں مگر یاد کی لرزش ہے ابھی تک
کہتی ہے مجھے دل کی خلش کیوں ہے پریشاں
تو نے کہیں جگنو کا تماشا نہیں دیکھا
ہلکی سی کرن دن کو جنم دیتی ہے آخر

☆.....☆.....☆

نکلا نہیں ہے شہر، حوادث کے جال سے
جگنو چمک اٹھا ہے تو تتلی مجلس گئی

☆.....☆.....☆

ایک
شعر



سطح آب پہ سو رنگ کی گل کاری ہو
راکھ کی تہہ میں اگر ایک بھی چنگاری ہو

لوگ کیوں شہر بسا لیتے ہیں اُس جنگل میں
دل کی دھڑکن پہ جہاں موت کی لے طاری ہو

ساری بسی ہی بغاوت پہ اتر آئے گی
دن کو مشکل نہ بنا رات اگر بھاری ہو

اپنے ماتھے کی دمک ماند نہ ہونے دینا
چاند بچھ جاتا ہے جب آنکھ میں بیزاری ہو



ایک شعر

ہمیں گرفت میں لا کر بکھرتا ہے پیہم
گلاب اپنے بدن کا عذاب سنبے لگا



پڑاؤ

بستیاں جب کبھی سیلاب کی زد پہ ہوں تو پھر
راکھ کی گود میں پلتی ہے کہاں چنگاری
خواب بُنے سے بھی بیزار ہوئی ہیں آنکھیں
جیسے دم توڑ گئی کوئی بقا کی خواہش
جیسے تاروں کے نشیمن میں ہے ماتم برپا
کون سا حادثہ ہستی کا فراموش کریں
کون سے درد کو بہلائیگے اس سینے میں
ہم نے آنکھوں کشائی کا ہنر بھی سیکھا
ہاں مگر پھول کی خوشبو پہ زوال آتا ہے
مرحلہ اپنے تعین کا جب آیا کوئی
روشنی کاٹ گئی راستہ پینائی کا

☆.....☆



من میں روپوش اک ستارہ ہے
آسمان پر مجھے ابھارا ہے

چھوڑتی ہے ہواؤں میں جگنو
راکھ کی تہہ میں اک شرارہ ہے

میں سمندر کا اک کنارہ ہوں
اور وہ دوسرا کنارہ ہے

میرے ماتھے کی روشنی ہمدم
زندگی کا کھلا اشارہ ہے
ساز کب بے صدا ہوئے اظہار
اس نے پیہم مجھے پکارا ہے
﴿.....☆.....﴾

اس نے پانی میں میری چھاؤں کا
آسماں دور تک اتارا ہے
میری تنہائیوں سے ہم آغوش
شام کا ملگنی نظارا ہے
لوٹ لیتی ہے درد کا احساس
نامیدی کوئی سبارا ہے
جس نے روکا ہے سانس لینے سے
زندگی سے بھی مجھ کو پیارا ہے
پھول کا مسکرا کے بچھ جانا
بے یقینی کا استعارہ ہے



زیست کی آنکھ میں کس آس کی سرشاری ہے
دیپ بھی جلتا ہے اک رات اگر بھاری ہے

ہائے وہ لاوا اگلتا ہوا پتھر توبہ
جس کی آغوش میں نغموں کی صدا جاری ہے

اس کو برسات کے پانی میں بہاتے کیوں ہو
زندگی تو یہی احساس کی چنگاری ہے

سچ یہی ہے کہ سمندر کی فضا ہے خاموش
سب کے اعصاب پہ کیوں گونج سی اک طاری ہے

تنبیہ

زنگ آلودہ ہو تلوار تو رفتہ رفتہ
آگہی نیند کی آغوش میں لے جاتی ہے
زندگی ایسے مراحل سے بھی گزری ہے جہاں
اک صدی ایک ہی لمحے میں گزر جاتی ہے
ہاں مگر یوں بھی ہے جب ایک گھڑی کی لغزش
پشت در پشت غلامی کی سزا دیتی ہے
اُن گنت نسلوں کو چنوتی ہے دیواروں میں
اور پھر جس کا مداوا نہیں ہونے پاتا
چشمِ پینا سے کہو ہر گھڑی بیدار رہے

﴿.....☆.....﴾

میرے رستوں میں فقط رقص ہے تلواروں کا
ساتھ مت آؤ تمہیں جان بہت پیاری ہے

نارسائی نے مجھے کانچ کا پیکر بخشا
وار ہکا تھا مگر زخم بہت کاری ہے

کون اظہار وہاں ذات کے اندر جھانکے
اک بڑا ظلم جہاں آنکھ کی بیداری ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

جل نہ جائے یہ شام کا آنچل
دھوپ میں کس قدر تمازت ہے

﴿.....☆.....﴾

زندگی اپنا ہی سرمایہ گنوا بیٹھی ہے

(پشتو ادب کے ہر رنگ کردار قلمدار مومند کی وفات پر ابتدائی تاثرات)

سوکھ جاتی ہے کوئی شاخ تو دکھ ہوتا ہے
ہاں مگر آس کی کرنیں یہ کہا کرتی ہیں
اس شجر سے کئی شاداب سے پھوٹیں گے
رنگ مہکیں گے، شگوفوں کا تماشا ہوگا
ٹہنیاں اور ہری ہوں گی اٹھا کر محشر
اور شاخیں کئی اثمار سے جھک جائیں گی
المیہ یہ ہے کہ کرنوں کا جہاں ڈوب گیا
مہر تاباں بھی ہوا خاک کا پیوند آخر
اب کس امید پہ تاروں کو کریں گے تسخیر
دشت احساس میں حالات کی طغیانی نے

ایک شبہ زور شجر جڑ سے اکھاڑا، پھینکا
 وہ شجر جس کی گھٹی چھاؤں میں دیکھے سب نے
 خواب فانوس کے، تعبیر سحر خیزی کی
 جس کی آغوش میں خوشبو تھی دل آویزی کی
 حادثے ہوش میں لاتے ہیں مگر اب کے بار
 اپنے سپنوں کا نگینہ ہوا ریزہ ریزہ
 اپنی جاگیر کو تاراج کیا شیلے نے
 بائرن ایک تعق سے ہوا ہے بیدار
 ورڈ زورتھ اپنی ہی بستی کا پتہ بھول گیا
 کیٹس نے اپنی ہی تصویر کا چہرہ نوچا
 فیض مجروح ہے غالب کی انا ہے پامال
 فرش پر آ کے گرے حمزہ و کمال بخود

کیسے برپا ہے یہ خوشحال کے گھر میں ماتم
 چاند گل کر دیا اک سعدی و اک حافظ نے
 اپنے ستر آٹ نے کب زہر کا پیالہ تھاما
 وہ تو چاہت کے سنے بانٹ رہے تھے ہم میں
 دیکھنے اپنے ارسطو کی قبا چاک ہوئی
 مرگ نے اپنے فلاطوں کا لہادا اورٹھا
 وقت کو اپنی تیبی کا ہوا ہے احساس
 کیا کہیں کتنی دعاؤں سے ہوئے ہیں محروم
 روح کی کرچیاں چھتی ہیں بدن میں اظہار
 ماتمی شب کو سنواریں گے کس آئینے میں
 اک قلندر کو ہٹایا ہے اگر رستے سے
 زندگی اپنا ہی سرمایہ گنوا بیٹھی ہے

﴿.....☆.....﴾

اور کیا اپنی صفائی میں ہمیں کہنا ہے
ہم کہ مجرم نہیں تقریر نہیں کر سکتے

یاد کی شمع جلاتے نہیں دشت دل میں
ایک دیرانے میں تعمیر نہیں کر سکتے

جگمگاتے ہوئے شہروں سے دھواں اٹھتا ہے
اور ہم شکوہ تقدیر نہیں کر سکتے

بارہا ہم نے تری یاد کا ماتھا چوما
کیا کہا! چاند کو تسخیر نہیں کر سکتے

سوچتے ہیں کوئی تدبیر نہیں کر سکتے
زیست کو خواب سے تعبیر نہیں کر سکتے

ایک پرشور فموشی میں ڈھلے جاتے ہیں
گفتگو صورت تصویر نہیں کر سکتے

اس طرح درد کی توقیر گھٹا کرتی ہے
اپنی بربادی کی تشہیر نہیں کر سکتے



پیار کے خواب میں ترمیم ضروری تو نہیں
روح اور جسم کی تقسیم ضروری تو نہیں

والہانہ بھی کچھ انداز ہوا کرتے ہیں
جسم کے سائے کی تعظیم ضروری تو نہیں

میں نے تاخیر سے اس ہاتھ کو چوما لیکن
پیار کے جرم میں تقدیم ضروری تو نہیں

کیا خبر ان کے کسی راز کو رسوا کر دوں
وہ مرے قتل میں تاخیر نہیں کر سکتے

پیار جنگل میں بنا لیتا ہے رستے ہر سو
لوگ خوشبوؤں کو زنجیر نہیں کر سکتے

اک تسلسل میں اسے ٹوٹ کے چاہا اظہار
اس سے بڑھ کر کوئی تقصیر نہیں کر سکتے

﴿.....☆.....﴾

ڈھونڈ لیتی ہے وہ جنگل میں بھی اپنا راستہ
خوشبوؤں کیلئے تعلیم ضروری تو نہیں

زلف کھلتی ہے تو ہاتھ آتا ہے جینے کا جواز
جان ہر بات میں تنظیم ضروری تو نہیں

بند آنکھوں سے کسی ہاتھ کو تھامو اظہار
فہم یہ کافی ہے، تنہیم، ضروری تو نہیں

☆.....

ایک شعر

ہم کو ترساتے ہیں سائے اپنے
آئینہ کس خیال میں گم ہے

☆.....

اکائی

شب کے تاریک حوادث سے بھلا کیا ڈرنا
چھین سکتے نہیں ادراک کی چنگاری تک
تیرگی راستہ روکے تو اُجالا پھیلے
جوں ہی جگنو کی تڑپ بجھتی ہے لمحہ بھر کو
آگہی منزلِ تعبیر پہ لے آتی ہے
جب بھی رم جھم کی صدا کان سے ٹکرا جائے
عارضِ زیت پہ بکھرے ہے دھنک رنگوں کی
جب بھی تھک جاتے ہیں پاؤں کہیں چلتے چلتے
زندہ ہو جاتی ہے جھنکار کسی پائل کی
کس کو معلوم کہ تعبیر کے دورا ہے پر

آنکھ بوجھل ہے کہ سپنوں سے جھگی رہتی ہے
تتلیاں، کانچ کے گلدان پہ منڈلانے سے
ایسے کتراتی ہیں جس طرح رمیدہ آہو
تیز آندھی میں کسی پیڑ سے ٹکرا جائے
روشنی ایک اکائی ہے مری ہستی کی
اس کی تقسیم ہے نسلوں کا پریشاں ہونا
بند کلیاں یہ چٹکتی ہوئی کہہ جاتی ہیں
روکنے سے کہاں خوشبو کا سفر رکتا ہے
رفعتیں جان چھڑکتی ہیں مری دھرتی پر
عظمتیں اس کے تقدس پہ مٹی جاتی ہیں
جب اُبلتے ہوئے چشموں پر نظر رکتی ہے
تافلک اپنی روانی کا سفینہ جائے
اہرن خوف سے لرزاں ہے مرا جاتا ہے

پھر بھی کہتے ہیں فراست کے سے رہ رہ کے
چشم بینا سے کہو ہر گھڑی بیدار رہے
تیرگی ایک تعاقب میں مگن ہے کب سے
ان دکتے ہوئے تاروں کا کہا مت بالو

☆.....

میں بکھر گیا ہوں صداؤں میں
مرا آسماں ہے خلاؤں میں
تو ہے روشنی میں چھپا ہوا
میں برہنہ کتنی قباؤں میں
تری ابتدا ہی کمال ہے، تری انتہاؤں کی حد نہیں
مرا اعتبار بھی وہم ہے مرا تجربہ بھی سند نہیں

﴿.....☆.....﴾

قطعہ

بدن میں جب بھی کوئی تازہ خون بنے لگا
سروں پہ دھوپ کا اک سا سبان تننے لگا
مگر ہواؤں کے تیور بدل گئے اظہار
خوشی کا لمحہ تھا اک حادثہ بھی چننے لگا

﴿.....☆.....﴾

انکشاف

مرا سایہ میرا وجود ہے میرا قبہ میرا جسم ہے
یہ یقین ہے کہ مغالطہ، یہ سراب ہے کہ طلسم ہے

تجھے جاویداں سا بنا دیا میرا آئینہ مجھے توڑ کر
میں فریب کا کوئی روپ ہوں تو یقین کی کوئی قسم ہے

مرا تجربہ مری راہ میں کئی لغزشوں کو بچھا گیا
کہ بلند تر تری ذات ہے کہ عظیم تر، ترا اسم ہے

شہر کے آئینے ہو جائیں گے ریزہ ریزہ
آنکھ جب حسن کے اظہار میں کھو جائے گی

کس طرح راکھ ہوئی پیار کی بستی، مت پوچھ
یہ کہانی ترے کردار میں کھو جائے گی

اس طرح روپ کے جلوؤں میں نہ الجھو اظہار
تیری بچی کسی بازار میں کھو جائے گی

☆.....

ایک شعر

رات کروٹ نہیں بدلتی اور
کتنے سورج غروب ہوتے ہیں

☆.....



آرزو جسم کی مہکار میں کھو جائے گی
تیری دھڑکن تری رفتار میں کھو جائے گی

آسمانوں سے اترتے ہیں درسیدہ ملبوس
آبرو پیار کے دربار میں کھو جائے گی

میری آواز لرز اٹھے گی آئینے میں
تری پائل کسی جھنکار میں کھو جائے گی

قافلہ تیز ہواؤں کا یہ کہہ کر گزرا
اڑتی تھلی اسی گلزار میں کھو جائے گی

سفر

کوئی ستارہ فضاؤں میں ہو گیا تحلیل
تو میری آنکھ میں اشکوں کے دیپ جل اٹھے
ہے شب کی تیرگی کب سے میرے تعاقب میں
مگر میں رہتا ہوں کرنوں کی اوٹ میں پیہم
کنول کی آنکھ میں بینائی ڈھونڈنے والے
بہا کے چاند کو دریا میں، جھوم اٹھتے ہیں
اک اشہاک کی ترغیب بھی ہے بیزاری
ساعتوں سے پرے اک جہان ہے آباد

یرغمال

کس نے دھڑکن کی صدا لوٹی ہے وحشی بن کر
کس نے تبدیل کیا اپنی نظر کا قبلہ
کون آئینے کی تابانی چرا لیتا ہے
ہائے شہہ راہوں میں پامال ہے کرنوں کا ضمیر
وائے بجھتے ہیں سب آنکھوں کے دیئے رہ رہ کے
ایک موہوم تعاقب میں لگا ہوں کب سے
شعلہ بن بن کے گرا کرتے ہیں شیطانوں پر
آسماں کتنے ستاروں سے ہوا ہے محروم
پھر بھی ہم دل کی تسلی کو کہے جاتے ہیں
تیرگی اور بڑھے گی تو سویرا ہو گا

☆.....☆.....☆



گلی میں شام کے سائے دراز ہونے لگے
فضا میں چار سو راز و نیاز ہونے لگے

ابھی تو چاند کے ماتھے پہ اک شکن بھی نہیں
شکستہ کیسے محبت کے ساز ہونے لگے

گلاب اس نے کھلے پانیوں میں چھوڑ دیئے
جہاں پہ فاش محبت کے راز ہونے لگے

جہاں بھی چاند کا آنچل سرک گیا سر سے
چراغ جل اٹھے، پتھر گداز ہونے لگے

شکستگی میرے من کو مٹا نہیں سکتی
کرن جو ٹوٹے تو ہر سمت روشنی پھیلے
ہے میرے روپ کا پھیلاؤ میری یکجائی
سمیٹ کر مجھے لائے گی زلفِ آوارہ
محبتیں تو ہیں لمحوں کی قید سے آزاد
یہ کس نے قبر پہ تازہ گلاب رکھا ہے



آس

گھر کی دہلیز کو غیروں کے حوالے کر کے
آئیں جنگل میں کہیں جشن منانے جائیں
سانس لینا بھی یہاں جرم ہے وحشی پن ہے
دل کی دھڑکن بھی یہاں دار پہ لٹکتی ہے
کس نے مسلے ہیں لگا تار کلی کے سپنے
کس نے تالاب میں پھولوں کا جنازہ دیکھا
ایک نقطے میں سمٹ آئی ہے دنیا ساری
اور احباب تو تفصیل کے شیدائی ہیں
تیرگی مل گئی ماتھے پہ سیاہی شب کی
ہم نے جگنو کے تعاقب میں ستارہ چھوڑا

☆.....☆

بہک چلا ہے دوپٹے کی اوٹ میں موسم
وفا کے مرحلے سب بے جواز ہونے لگے

یہ کس گلاب نے ہنس کر گلے لگایا ہے
جو دل کے درد تھے سب دل نواز ہونے لگے

مہک گیا ہے کوئی پھول سا بدن اظہار
جو بند تھے وہ درتے بھی باز ہونے لگے

☆.....☆

ایک شعر

آنکھ آوارہ خرامی میں مگن ہے کب سے
شام کی گود میں آنسو نہیں باقی شاید

☆.....☆

یہ فسانہ کہہ گیا ، اک ستارہ ٹوٹ کر
خاک میں ہے روشنی، روشنی میں خاک ہے

آئینے میں ڈھل گئے ، ہم اکائی کی طرح
اک علاحدہ سفر ، اپنا اشتراک ہے
﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

رات کو نغمے جگا کر سو گئی
اک شکستہ ساز بجتا رہ گیا
﴿.....☆.....﴾



اُس میں جستجو نہیں ، اس میں انہماک ہے
یہ کرن شہید ہے ، وہ کرن ہلاک ہے

ضبط سے دہلی نہیں ، اپنی بے قراریاں
ہونٹ سی لئے مگر، سینہ چاک چاک ہے

روپ کی قیامتیں ، زیر لب یہ کہہ گئیں
میل اس میں آئے گا وہ نظر جو پاک ہے

نوید لائے تھے جینے کی، پیار کے چبھتی
یہ کس نے موت کا چھیڑا ہے راگ بستی میں

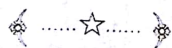
وہ آنکھ جو مری گہرائیوں کا حاصل تھی
لٹا گئی ہے سمندر کا جھاگ بستی میں

سفر کے مرحلے اظہارِ تہم ہی جائیں گے
ہواؤں نے بھی تو کھینچے ہے باگ بستی میں



ایک شعر

پھول بکھرا ہے تو رہ کے خیال آتا ہے
گھر کی دہلیز پہ اجڑی تھی کوئی دوشیزہ



بھڑک چلی ہے عداوت کی آگ بستی میں
اجڑ رہا ہے کسی کا سہاگ بستی میں

میں دیکھتا ہوں ستاروں کی انجمن برہم
نشلی شام کو ڈتے ہیں ناگ بستی میں

یہ کہہ کے ٹوٹ گئی بال کھولے دوشیزہ
قسم سے پھوٹ گئے اپنے بھاگ بستی میں

دلوں کو نقل مکانی کی مار دیتے ہیں
مرے نگر کے پرندے بہت ہیں سیلانی

مری نگاہ کی تابانیوں میں ڈھل جاؤ
اُداس کیوں ہو اگر شہر میں ہے ویرانی

جہاں میں پلوں کی جنبش بھی رک گئی اظہار
نظر میں بس گئی کس مرحلے کی حیرانی

☆.....☆

یک شعر

اُزا کر شہر کے دیوار و در کو
ہوائیں اور سرکش ہو گئی ہیں

☆.....☆



پھر آئینے نے مری شکل بھی نہ پہچانی
ڈبو گئی مجھے سپنوں کی تنگ دامانی

بگڑ گئی ہے اگر بات ہوشمندی سے
تو کام آئی ہے اکثر ہماری نادانی

دبک رہے ہیں بدن کے دراز تر سائے
گنہہ کے شہر کی گھٹی نہیں ہے تابانی

الفت کے انداز نرالے ، ملنا بچھڑنا ایک برابر
چاہ کرے ہوں غم نہیں اس کا کچھ پاتا یا کھوتا ہوں میں

مار کے مجھ کو میرا قاتل اپنا ہی نقصان کرے گا
دھرتی کے وحشی جنگل میں پیار کا ایک سمجھوتا ہوں میں

پائے ہیں ادراک کے لمحے، تیز آندھی میں، میں نے اظہار
بجھتا ہے جب دیپ کوئی تو اور بھی روشن ہوتا ہوں میں

☆.....☆.....☆

ایک شعر

چاند آچیل کو گنوا کر کیسے
اپنی رعنائی میں کھو جاتا ہے

☆.....☆.....☆

تارا تارا ٹوٹ کے بکھروں، جگنو جگنو روتا ہوں میں
سکی سکی جاگ رہا تھا دھڑکن دھڑکن سوتا ہوں میں

میں نے کب انکار کیا ہے درد کی لے میں ڈھل جانے سے
من کے سونے اس آنگن میں پیار کے سپنے بوتا ہوں میں

آنکھوں کی اس جھیل میں آکر تارہ بن کے ڈوب نہ جاؤں
تہائی کے گھر میں جانم پریمی اک اکلوتا ہوں میں



افق کے پار جگنو جا بسا ہے
ستارہ کس کرن کی انتہا ہے

بصارت صلب کرتے ہیں اُجالے
یہ نفرت بھی محبت کی عطا ہے

تجسس میں مجھے رکھنا ہے کب تک
زباں خاموش کیوں ہے بات کیا ہے

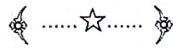
نہیں آتا مگر جھونکا ہوا کا
دریچہ تو ہر اک گھر کا کھلا ہے

میں کیا ڈھونڈوں کسی آنچل کا سایہ
عروس زندگی جب بے ردا ہے



ایک شعر

وہ سراپا مجھے فردوس میں لے آیا ہے
جس کی خوشبو نے مجھے راہ سے بھٹکایا تھا



چڑھائے جاتا ہے سولی پہ چاند کا ہالہ
مرے خیال کی بانی بھی اس کے کان میں ہے

بہت مزے سے وہ شاداب ہونٹ چومے تھے
یہ کیسے زہر کی تلخی میری زبان میں ہے

گلاب کھل اُٹھے اظہار میرے ہونٹوں پر
مگر وہ ناگ جو نکلا مرے مکان میں ہے

☆.....

ایک شعر

شام کے پھلتے سایوں سے ہراساں ہو کر
کتنے تارے ترے آنچل میں سا جاتے ہیں

☆.....



سپردگی بھی یہاں سخت امتحان میں ہے
تیرے وجود کا مرکز مری اڑان میں ہے

مرے بدن کی تھکن کہہ رہی ہے رہ رہ کے
تمازتوں کا وہ سورج تو سائبان میں ہے

بس آؤ موج میں اور آسماں پہ چھا جاؤ
کہ زمرے کا جہاں تو اسی اٹھان میں ہے

بھیگتا جا رہا ہوں بارش میں
کس نے چاہت کے کرب کو جھیلا

تیرگی اب بھی ہے مگر اظہار
ایک جگنو تو جاں پر کھیلا

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

میں ستاروں سے پرے، بزم سجاتا لیکن
ایک جگنو نے مرا راستہ روکا شب بھر

﴿.....☆.....﴾



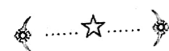
زندگی کا لباس تھا میلا
لمس کا دائرہ نہیں پھیلا

چاٹ کر رکھ دیا سمندر کو
آگیا ایسے پیاس کا ریلا

موت کی لذتوں کو ترسایا
میرا قاتل ہے کتنا البیلا

تمازت

اپنی محنت کی کمائی پہ بھی دکھ ہوتا ہے
یہ کہیں زہر میں بجھتی ہوئی تلوار نہ ہو
کس نے احساس کی عریانی کو رقصاں پایا
کیسے دم گھٹ کے مرا آب کے اندر ماہی
ہائے معصوم فرشتوں کی لٹی تابانی
روشنی اپنے تعاقب میں ہوئی ہے اندھی
من جھلتے ہوئے ادراک کی آغوش میں ہے
سخت حیراں ہوں مگر کاسنہ خیرات میں آج
اک بھکاری نے نگیںوں کا جہاں پھینکا ہے



تموؤج

زندگی دائروں میں ابھرے گی
ہونٹ پر نغمہ ہو گیا ساکت
ہائے تالاب کتنا اپ سیٹ ہے
ایک پتھر کہیں سے لا دو نا
آنکھ پتھرا نہ جائے ہستی کی
زمزموں کی تلاش مت روکو
بے حسی کا شعور جاگے گا
ہاں مگر ضرب تو لگانی ہے

وقت کا حافظ نہیں کمزور
خوشبوؤں کو اسیر مت کرنا
خواب جاگیں تو ان کی تعبیریں
کتنے سپنوں کو ڈھونڈ لاتی ہیں
اک دریچہ کھلا تو رکھنا ہے

﴿.....☆.....﴾

○
ممکن نہیں ہے ہاتھ پہنچنا گلاب تک
لو مر گیا ہے آج تو خوشبو کا خواب تک

مٹھی میں قید رکھتا ہے تتلی کی آرزو
راحت کو اس نے طول دیا ہے عذاب تک

ڈرتے ہیں گم نہ کر دیں کہیں تم کو بھیڑ میں
ہے ہم سے منحرف نگہ انتخاب تک

پرواز

میں نے منہ پھیر کے دیکھا ہے جب اڑتے اڑتے
میری منزل نے مجھے ٹوٹ کے تڑپایا ہے
میرے تنخیل کے پر زک گئے اک لمحے میں
حلقہ در حلقہ مناظر ہوئے ساکن ساکن
رفعتوں نے مجھے پاتال میں لاپھینکا ہے
میں یہاں اپنی کہانی نہیں دہراؤں گا
ہاں مگر ایک جھلک یاد کی اچھے مجھ سے
چاند کو میں نے عروسی کا لہادا دے کر

لیکن سمجھ نہ پائے کبھی اُس کی ایک بات
لکھی ہے جس کے حسن پہ ہم نے کتاب تک

ملتی ہے کیسے خاک میں اب اس کی ابرو
جس آنکھ میں غرور رہا انقلاب تک

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

دیرانیاں اُس آنکھ کی یاد آتی ہیں ہم کو
آسیب زدہ بستی سے باہر نہیں جاتے

﴿.....☆.....﴾

پاکیزہ

سرگوشیوں نے اپنا تقدس لٹا دیا
ہنگامے مخرف ہیں تلاطم کی راہ سے
ہے ہاؤ ہو میں ہائے ہائے ہائے ہائے
آہوں نے واہ واہ کا پیکر اٹھا لیا
ابھرا ہے کس تضاد سے خاکہ وجود کا
سچائی اک فریب کے من میں سما گئی
افسانہ ڈھل رہا ہے حقیقت کے روپ میں
انگڑائی لے کے کہہ گئی شریں سخن یہ بات
خود کو سنبھالتی ہوں مگر ٹوٹ ٹوٹ کر
دیوی مجھے بنا دیا خدشوں نے لوٹ کر

﴿.....☆.....﴾

اپنی دھڑکن کو بہایا ہے کسی ساگر میں
میں نے تالاب میں تہائی کے کنکھر پھینکے
تو مرے پاؤں میں کانٹا سا چھبا لغزش کا
ایک طائر نے میرے کان میں ہولے ہولے
اپنے افسانے کو دہرایا ہے ان لفظوں میں
میں نے پرواز میں اک آن کی کوتاہی کی
اور صدیوں کا سفر روٹھ گیا ہے مجھ سے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

پانی میں جب سے پھیل گیا ہے لہو کا رنگ
آبادیوں سے دور پرندے چلے گئے

﴿.....☆.....﴾

روپ

جب بارشوں نے آنکھ کی دنیا اُجاڑ دی
بے روتی کے سائے پڑے خدوخال پر
خدشوں نے میرے روپ کو بانہوں میں بھر لیا
اعصاب پر محیط ہوئی شب کی تیرگی
پیہم میری نگاہ نے جگنو اڑا دیئے
تاریکیوں کے سارے ہیولے لرز اٹھے
کرنوں کا اک ہجوم سا لپٹا وجود سے
خوشبو کے کارواں تھے مرے گردوپیش میں

لیکن وہ ایک خوف میں لپٹا ہوا تضاد
کھل کر جو آگیا تو میں بیدار ہو گیا
سیا تھا رنگ و روپ کا لیکن غضب ہوا
مٹھی جو کھول دی ہے تو تتلی بھی اڑ گئی



ایک دن ٹوٹے گا یہ پیار کا بندھن آخر
ہم نہیں سمجھیں گے اور آپ نے سمجھنا ہے

اب تو اس راز سے یہ شہر بھی واقف ہوگا
قتل ہونا ہے ہمیں، آپ نے شرمانا ہے

ہم نے اس دیس میں رہنا نہیں اظہار جہاں
اپنی تقدیر فقط ہاتھ ہی پھیلاتا ہے

☆.....☆

یک شعر

پلکوں پہ ناپنے لگی آوارگی کی شام
بھولا ہوا ہوں راستہ جنگل کے آس پاس

☆.....☆



رات کو صبح کی دہلیز پہ لے جانا ہے
ہم نے ٹوٹے ہوئے تاروں کا کہا مانا ہے

اوڑھ کر آئیں گے ہم تشنہ لبی کے سائے
اپنے ساتی نے فقط جام ہی چھلکانا ہے

چوم کر آتے ہیں قاتل کی برہنہ تلوار
یہ نہیں پوچھتے کب تک ہمیں تڑپانا ہے

حادثوں کا سفر

بے لطافت نہیں کثافت بھی
ہاں مگر امتزاج ہے لازم
اک تناسب بہت ضروری ہے
رنگ اور نور کے خیاباں میں
حادثوں کا سفر نہیں رکتا
ریچھ کے قرب میں غزالائیں
ہو گئیں آب و تاب سے عاری
گدھ تو شہباز بن نہیں سکتا

فاختاؤں کو کون سمجھائے
وہ بدن کہہ رہا ہے رہ رہ کر
میں نے تیلی کے رنگ اوڑھے تھے
اڑ گئی میری ساری شادابی
باتھ مجھ کو لگا دیا کس نے

﴿.....☆.....﴾

مگر فریب ہے یہ اعتبار کی دنیا
وہاں بھی نقش ہے ابھرا جہاں قدم ہی نہیں

میں اپنی قوت پرواز پر ہوا حیراں
اُسے یہ وہم ہے شاید کہ مجھ میں دم ہی نہیں

یہ بات دل کی تسلی کو ہے بہت اظہار
فقط خراب دیارِ وفا میں ہم ہی نہیں

☆.....

ایک شعر

جب بھی رستے میں تمازت کی کلی کھلتی ہے
اپنے سایوں کو شجر اوڑھ لیا کرتے ہیں

☆.....

یہ واقعہ تو کسی سانچے سے کم ہی نہیں
بچھڑ رہے ہیں مگر کوئی آنکھ نم ہی نہیں

ہر ایک دستِ ستمگر میں ہاتھ دیتا ہے
کسی کو اپنی تباہی کا کوئی غم ہی نہیں

وہ قتل کر کے بھی معصوم ہی ٹھہرتا ہے
سوٹے ہوا کہ جہاں میں کوئی ستم ہی نہیں

”گرفت“

فاصلے ختم ہیں مگر پھر بھی
لمس کا دائرہ نہیں پھیلا
روشنی لوتی ہے بینائی
میں یہ کس موڑ پر رکا آکر
وسعتوں میں اسیر ہے دھڑکن
یہ نہیں ہے نظر کی سرشاری
یہ تو اک دوسرا پڑاؤ ہے
وسوسوں کا شعور، اُف توبہ
حاصل کر ب بھی نہیں لذت
ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھام لیا
اور اس کی گرفت ڈھیلی ہے

﴿.....☆.....﴾



آئینہ ٹوٹا ہے زنجیر کی آواز سنو
ایک ٹپتی ہوئی تصویر کی آواز سنو

ایک پاگل سر بازار کہے جاتا ہے
تم میں جرات ہے تو تقدیر کی آواز سنو

ایسا بے سمت سفر راہ میں گم کر دے گا
خواب سب گونگے ہیں تعبیر کی آواز سنو

ایک جگنو نے کہا رات کو مرتے مرتے
میں ستاروں میں ہوں تصویر کی آواز سنو

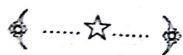
﴿.....☆.....﴾

بے خودی نام ہے خود اپنا لہو پینے کا
تشنگی بھی تو بہر حال بلا نوشی ہے
من کے ہنگامے کہیں جاگ نہ اٹھیں اظہار
اس کے ہونٹوں پہ مرے نام کی سرگوشی ہے



ایک شعر

بھول جانا ہے اگر مشکل تو
یاد کرنا بھی نہیں ہے آساں



”تجربہ“

ہم نے سایوں کا تعاقب نہیں چھوڑا اب تک
کتنے اس راہ میں سچائی کے سورج ڈوبے
کس اذیت سے گزرتا ہے سفر لمحوں کا
وقت کے ہاتھ میں چمکی ہے عدو کی تلوار
کتنی آنکھوں کے دیئے بجھ گئے ہنتے روتے
کتنی معصوم تمناؤں کے پیکر ٹوٹے
کرب احساس کو پایا ہے غزل میں ڈھل کر
دل میں طوفان اٹھے، آنکھ میں خاموشی ہے

منتشر ہو رہا ہے ہر چہرہ
عکس سے عکس کس نے جوڑا ہے

جس پہ چلنا ہے جانب منزل
کانچ کا اک حسین گھوڑا ہے

جو بہاتا رہا مجھے ، اظہار
اس سمندر کا رخ ہی موڑا ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

سکوں اس کے لئے اک زہر قاتل ہے مگر ہمد
محبت عہد کی آواز کو سن کر ٹھہرتی ہے

﴿.....☆.....﴾

زیت کا یہ عذاب تھوڑا ہے
ہائے خوشبو نے گل کو چھوڑا ہے

ایک مدت کے بعد خود سے ملا
کس نے اس آئینے کو توڑا ہے

تیری تصویر کھو گئی مجھ سے
کتنی تیزی سے وقت دوڑا ہے

اک کرن نہ کرن کو لوٹا ہے

دوستی کے فریب میں ہم نے
اپنے گھر کا دیا بچھایا ہے
ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی
کامیابی کا راز ' اُف توبہ
بے جہت راستوں میں کھو جانا
چاند گویا کوئی بھکاری ہے
اس کی تابانیاں نہیں اپنی
دیکھئے آفتاب گم صم ہے
شب ہوئی تیرگی سے ہم آغوش
اک کرن نے کرن کو لوٹا ہے

☆.....☆



جہاں دل ہے وہاں ارماں نہیں ہے
تناسب ہی کوئی یکساں نہیں ہے
تو جس پہ وارتا ہے اپنی دنیا
وہ تیرے درد کا درماں نہیں ہے
قسم سے اس کے فتنے ہیں نرالے
یہ میرے شہر کا طوفاں نہیں ہے
دعائیں عرش سے آئیں پلٹ کر
مری دھرتی پہ کوئی ماں نہیں ہے

صداؤں کی تصویر

معتبر جھوٹ بھی ہے سچائی
خود کو پیہم فریب دینا ہے
کس نے پتھر چٹنے ہیں جھولی میں
عکس در عکس آئینہ بکھرا
کرچیوں میں بدل گئے سنے
آرزو کی کتاب راکھ ہوئی
اڑ رہا ہے جہاں بگولوں میں
ڈھونڈتا ہوں صداؤں کی تصویر
سنگدل کس قدر ہے یہ قاتل
خاک میں ہی جسے ملانا ہو
اس کے سر کو کلاہ دیتا ہے

☆.....☆.....☆

جو چپ کر وار کرتا ہے ہمیشہ
میری نظروں سے اب پنہاں نہیں ہے

پرندے کوچ کرتے جا رہے ہیں
مجت کا کوئی امکان نہیں ہے

وہاں زلفوں کا سایہ کیا پڑے گا
جہاں کا مہر ہی تاباں نہیں ہے

برہنہ رقص بھی دیکھیں گے اظہار
کوئی تلوار ہی عریاں نہیں ہے

☆.....☆.....☆



ہم سے کیا گریز نہایت لگاؤ سے
قائل نے جان لی بے بڑے رکھ رکھاؤ سے

کیا چارہ گر ہیں داد ذرا کھل کے دیجئے
کرتے ہیں درد کا بھی تدارک تو گھاؤ سے

جب آنسوؤں کا روکنا بس میں نہیں رہا
پھر ارض جاں کو کیسے بچائیں کٹاؤ سے

کیا دلفریب ہوتا ہے یہ آگہی کا کرب
سائے میں پیڑ جلتے ہیں اندر کے تاؤ سے

ان رتجگوں کا زہر اتارو نہ خون میں
دیکھو ابھی تو دور ہے منزل پڑاؤ سے

آتا نہیں اگر کہیں انگڑائی پر زوال
آئینہ ٹوٹ جاتا ہے پھر کس دباؤ سے

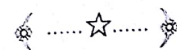
جنگل میں کوئی کارواں ٹھہرا تھا شام کو
جگنو سے اڑتے دیکھے ہیں ہم نے الاؤ سے

طوفان میں ڈوب جائیں گے سب بستیوں کے خواب
ان پانیوں کو اور نہ روکو بہاؤ سے

شاید درون ذات کوئی اضطراب ہے
چہرے بگڑ رہے ہیں برابر تناؤ سے

آنچل کا اک فریب تھا آنگن کے آس پاس
بگڑے ہیں آئینے بھی مسلسل بناؤ سے

(گرفت سے بعض تراجم کے ساتھ)



سفر بے سمت ، رستے در بدر ہیں
تو گویا خواب سب نامعتبر ہیں

کوئی ہلچل نہیں ہے زندگی میں
تری انگڑائیاں کیوں بے ثمر ہیں

ہوا یہ کس کا آنچل لے اڑی ہے
لرزتے شہر کے دیوار و در ہیں

بنیرا کیا کریں ان میں پرندے
یہ برگ و بار سے عاری شجر ہیں

تری دہلیز پہ رکتا ہوں آکر
وگر نہ شہر میں کتنے ہی در ہیں

پھر ان کا کاشا کیوں ہے ضروری
اگر یہ ہاتھ اتنے بے ہنر ہیں

اگر سب فاصلے طے ہو چکے تو
مراحل اور کیا پیش نظر ہیں

(گرفت سے بعض تراجم کے ساتھ)

☆.....☆.....☆

شہر بلیقیں میں خوابوں کا بھرم دیکھا ہے
ہم نے اس آنکھ کو کھلتے ہوئے کم دیکھا ہے

ہاتھ سے گر گیا خوشبو میں سا گل دستہ
جس میں اک مان تھا اُس آنکھ کو نم دیکھا ہے

پیرہن کس کا ہواؤں نے اڑایا چیم
کس نے گرتا ہوا سپنوں کا حرم دیکھا ہے



انھی ہیں انگلیاں ہم پر عذاب بھی آئے
ہمارے ہاتھ میں لیکن گلاب بھی آئے

زمانہ ایک روش پر کبھی نہیں ٹھہرا
کہیں جو رتجگے آئے تو خواب بھی آئے

تمہارے نام کا تارہ مگر نہیں ڈوبا
کہ روز و شب میں بہت انقلاب بھی آئے

ہمیں نے شمع کو بجھنے نہیں دیا اظہار
ہوا بھی تیز تھی زیرِ عتاب بھی آئے



اپنی بربادی کا ماتم نہیں کرتے ورنہ
آس کے چاند کا سر ہم نے بھی خم دیکھا ہے

بے بسی نے ہمیں پتھر کا بنایا اظہار
ہم نے آنگن کے اجڑ جانے کا غم دیکھا ہے



ایک شعر

جس کی آنکھوں میں مری تصویر تھی
وہ غزالہ شہر میں گم ہو گئی





ہونٹ گنگناتے ہیں، اور روح گھائل ہے
لفظ اور معانی میں، اک خلیج حائل ہے

چاند بھی یہ کہتا ہے، گھر کی قید سے نکلو
راہ میں بہک جانا، زندگی کا حاصل ہے

ساحل سمندر پر، جھومتے نظاروں کے
زخم زخم پاؤں میں اک شکستہ پاگل ہے

”دیدہ ور“

تہائی کا عذاب مسلط تھا شہر پر
سایوں سے جسم، جسم سے سائے پھڑگے
ہر آنکھ گھومتی تھی خود اپنے مدار میں
کرتے تھے کوچ شہر سے خوشبو کے کارواں
سانسوں میں زہر پھیل رہا تھا شناخت کا
انسان کھو رہا تھا صداؤں کی بھیڑ میں
پنجرے میں بند پنچھی، ہوا میں اڑا دیئے
میں نے ہی اپنی ذات کی قربانی پیش کی
زرگس کی آنکھ نصب تھی چہروں پہ ہر طرف
آئینہ کس سے عکس کی خیرات مانگتا



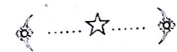
رنگ آ کے ملتے ہیں بے شمار رنگوں میں
ساز جس سے بنتے ہیں وہ ترنگ زائل ہے

شہر کی اذیت ہی آئینے کو توڑے گی
ایک بہرا آقا ہے، ایک گونگا ساکل ہے



ایک شعر

سفر کو ترک کر کے لوٹ آیا کہکشاؤں سے
تری پلکوں کی جنبش پاؤں کی زنجیر بنتی ہے



وقت کے پاؤں کی زنجیر نہیں دیکھو گے
خواب دیکھا ہے تو تعبیر نہیں دیکھو گے

اس کے ہر رنگ میں پنہاں ہیں تمہارے جلوے
ہاں مگر تم میری تصویر نہیں دیکھو گے

کتنا بھرپور ہے قصہ مری بربادی کا
تم مرا حاصل تعبیر نہیں دیکھو گے

اپنے ہاتھوں کی یہ تحریر نہیں دیکھو گے
کیا کہا گردشِ تقدیر نہیں دیکھو گے

کیا مرے جرم کے افسانے ہی دہرانے ہیں
مجھ پہ برسائے گئے تیر نہیں دیکھو گے

ہاتھ میں آگیا تاروں کا دوپٹہ کیسے
خاک پر چاند کی تسخیر نہیں دیکھو گے

ان پہ آئینے بھی برساتے ہیں پتھر، اظہار
چاہنے والوں کی توقیر نہیں دیکھو گے



پتھر کی آنکھ میں کوئی تصویر کھو گئی
آئینہ جاگتا رہا آواز سو گئی

تعبیر جس میں زندہ تھی چاہت کے خواب کی
وہ آنکھ وسوسوں کی نئی فصل بو گئی

آوارہ بن کے مٹ گئے قوسِ قزح کے رنگ
تتلی جو اپنی روح میں کانٹے چھبو گئی

کرنا تھا جس نے قتل مجھے اپنے ہاتھ سے
وہ میرے ایک لمس سے بے حال ہو گئی

اظہار چاہتیں بھی تو جگنو کے خواب ہیں
اک آنکھ شہر بھر کے گناہوں کو دھو گئی

☆.....

ایک شعر

تیلیوں کے پیرہن لائی تھیں اندھے شہر میں
وحشتیں شب کی نجانے کس نگر میں کھو گئیں

☆.....

میں غزل میں سمانیں سکتا

اُس نے تصویر میری چومی تھی
اور پھر کائنات تجھوی تھی
مستعل گردشوں کی زد پر ہوں
وہ مرے بازوں میں گھومی تھی
کیوں مجھے یاد کر کے وہ روتی
اپنی قسمت کی یہ بھی شومی تھی
میں غزل میں سمانیں سکتا
اس لئے آئینے کو توڑا ہے
وسعتیں آرزو کو لے ڈو میں
کیوں مقید ہو آنکھ شیشے میں

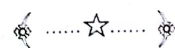


حاصل درد ہو گیا ہوں میں
راہ کی گرد ہو گیا ہوں میں

دیکھ کر اس کی احمیں آنکھیں
کس قدر زرد ہو گیا ہوں میں

آگ برسا رہا تھا وہ لہجہ
بے طرح سرد ہو گیا ہوں میں

میں روایت شکن نہیں لیکن
جدتوں کو تلاش کرتا ہوں
من میں ڈوبوں تو اپنی آنکھوں پر
روز اک بت کو فاش کرتا ہوں
پیار کا نام لے کے بہتی میں
ہائے فکر معاش کرتا ہوں
روک سکتا نہیں سفر اظہار
آئینے پاش پاش کرتا ہوں
توٹے عکس چوم کر پیہم
روح میں ارتعاش کرتا ہوں





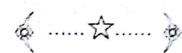
دوڑی یہ کیسی لہر شفق میں خمار کی
پتھر میں مضطرب ہیں لویں بھی شرار کی

بے چشم اس قدر تھے حوادث حیات کے
جو راہ سامنے تھی وہی اختیار کی

پھر آشیاں بناتے ، پرندے درخت میں
حالت تو دیکھ لیتے ذرا برگ و بار کی

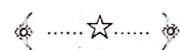
کس نے قاتل نگاہ سے دیکھا
اپنا ہمدرد ہو گیا ہوں میں

لو قبیلے کو چھوڑ کر اظہار
آج اک فرد ہو گیا ہوں میں



ایک شعر

جگنو کا بدن نغمہ ہے آؤ اسے گائیں
اس شام کے آنچل سے کوئی ساز چرا کر





ایک لمحے کو چاہ لیتا ہے
اور پھر اپنی راہ لیتا ہے

کس قدر ظلم ہے میرا قاتل
میرے گھر میں پناہ لیتا ہے

زندگی کی نوید ہے لیکن
جان بھی گاہ گاہ لیتا ہے

وہ آئینے کے سامنے ساکت کھڑی رہی
کتی رتیں گزر گئیں یونہی بہار کی

پائل کی لے ابھرتی ہے رہ رہ کے چاند میں
آگن میں مجھ رقص ہے شب انتظار کی

(گرفت سے بعض ترامیم کے ساتھ)



ایک شعر

ایک تلی نے مرے کان میں سرگوشی کی
گل کی دوشیزگی اک قصہ پارینہ ہے



جب بھی گھٹتا ہے دم ہواؤں کا
اُس کا آنچل کراہ لیتا ہے

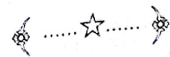
قافلہ راہ پر نہیں آتا
روز اک انتباہ لیتا ہے

دیکھتا ہی نہیں مگر اظہار
جان وہ کم نگاہ لیتا ہے



ایک شعر

لہراتے ہوئے گاتا ہوں دریاؤں کے نوحے
جنگل کی فضا اس بہت آنے لگی ہے



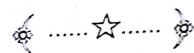
ہوا کے پاؤں میں پائل ہے، ہم کو رقص کرنے دے
نظر بہکی ہے دل گھائل ہے، ہم کو رقص کرنے دے

ہوائیں گا اٹھیں، جھومے شجر، طاؤس لہرائے
فضا اس بات پہ قائل ہے، ہم کو رقص کرنے دے

جسے خوابوں کی دنیا میں بسا کے کھل گئیں کلیاں
وہ تہلی پیار کی سائل ہے ہم کو رقص کرنے دے

ہمیں جو اجنبی منزل سے اپنے دیس میں لائیں
ان آنکھوں کا نشہ زائل ہے ہم کو رقص کرنے دے

ہماری راہ میں اظہار ان دریاؤں سے آگے
ستاروں کا دھواں حائل ہے ہم کو رقص کرنے دے



ایک شعر

آنکھ مدہوش ہے اب صبح بھی ہوگی کہ نہیں
رات نے چاند کے آنچل کا سرا تھام لیا



سجا کے آنکھ کو ، آئینہ توڑ دیتا ہے
وہ خواب چٹنا ہے تعبیر چھوڑ دیتا ہے

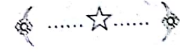
وہ مرے قتل کے سازش اگر نہیں کرتا
تو گل کو ہاتھ میں پھر کیوں مروڑ دیتا ہے

اتر تو جائے سفر کی تھکن مگر کیسے
کہ جب وہ بات کا پہلاں موڑ دیتا ہے

وہ میرے لمس کو برداشت کر سکا کیسے
گلوں کا رس جو ہوا میں نچوڑ دیتا ہے

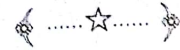
یہ آئینہ بھی منافق ہے کس قدر اظہار
کہاں کا عکس کہاں آ کے جوڑ دیتا ہے

(گرفت سے تبدیلی کے بعد)



ایک شعر

قسم ہے سانس لینے ہی نہ دے گی
بہت بیساختہ اس کی نظر ہے



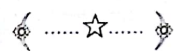
زندگی راہ میں بے حال کھڑی روتی ہے
چشم تعبیر جہاں خواب میں گم ہوتی ہے

روپ کے چاند کو لاحق ہے یہ کس رات کا خوف
گھر کے آنگن میں اندیشوں کی کرن بوتی ہے

مارتی ہے مجھے بے وقت ، اٹھا کر فتنے
میری تنہائی تو، بیٹی میری اکلوتی ہے

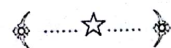
مری شہزادی مرے شہر کے بنگاموں سے
جاگ اٹھتی ہے مگر آس بھی اک کھوتی ہے

ہم نے اظہارِ جسے نام دیا ہستی کا
گھر کی تہائی میں بے فکر پڑی سوتی ہے



ایک شعر

فاختہ آگری سمندر میں
کھینچتا ہے یہ کون تصویریں



زندگی اپنے کسی خواب پہ مغرور نہیں
آنکھ بیزار ہے شیشے کا بدن چور نہیں

اپنے پامال تبسم کو کہاں لے جاؤں
وصل کی رات ہے اور لمس سے مسحور نہیں

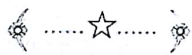
راہِ گم کردہ نہیں ہے میری آغوش کا لمس
میری نکلت کسی عریانی میں مستور نہیں

سنگِ باری کا کوئی ڈر نہیں لیکن اظہار
پھول کے ہاتھ میں پتھر مجھے منظور نہیں



ڈوبنا جب مرا مقدر تھا
پھر سمندر نے کیوں اچھالا ہے

اس کی آنکھوں کی جھیل میں اظہار
مرا اک گم شدہ حوالہ ہے



آئینہ اُس نے توڑ ڈالا ہے
جس کی آنکھوں کا رنگ کالا ہے

بند کلیوں کا مسکرا دینا
وقت کے جبر کا ازالہ ہے

رات کی تیرگی سے واقف ہوں
میرا قاتل کوئی اُجالا ہے

شکست

من کے ویران جزیرے میں لٹا جاتا ہوں
چائتا رہتا ہے اک ضبط کا موسم مجھ کو
ان کے منصف بھی یہ کہتے ہیں مراجرم نہیں
زور آور مجھے جینے کی سزا دیتے ہیں
پابہ زنجیر ہے انصاف کا سہا ہوا دیو
آسماں اپنی اڑانوں کا جہاں بھول گیا
من سلگ اٹھتا ہے خوشبو کی مہک سے ہر بار
اک شکاری نے کہیں گاہ سے باہر آکر
کتنے معصوم پرندوں کا گلا گھونٹا ہے



گیتوں میں ڈھل کے کرب کی شہنائی لٹ گئی
سائے دراز ہو گئے انگڑائی لٹ گئی

اک حادثے کی زد پہ رہا معجزوں کا خواب
وسعت ملی تو آنکھ کی گہرائی لٹ گئی

ہر بار جشنِ نو کا کیا اس نے اہتمام
ہر بار اُس نے بات یہ دہرائی، لٹ گئی

پیہم رہا ہوں انجمن آرائیوں سے دور
حیراں ہوں کیسے پھر مری تنہائی لٹ گئی



بارشوں کی نذر ہے سودا مری تعمیر کا
ٹوٹتا جاتا ہے رشتہ خواب سے تعبیر کا

فصل گل میں دیکھے گل کی پریشانی کا حال
پوچھے مت مجھ سے افسانہ مری تقدیر کا

توڑتا ہے عکس جب مرا، حصار آئینہ
ناگہاں کیوں رنگ اڑتا ہے تری تصویر کا

بکھرے تھے سارے شہر میں قوس قزح کے رنگ
تنتلی مگر جہاں بھی نظر آئی ٹٹ گئی

دیکھا مجھے تو آنکھ بچا کر گزر گیا
اک پل میں عمر بھر کی شناسائی ٹٹ گئی

سایوں کے ساتھ ساتھ چلا تھا تمام عمر
ٹوٹا تو اک ستارے کی بینائی ٹٹ گئی

اظہار میرے عہد کے ماتھے پر درج ہے
جونہی چراغ جل اٹھے دانائی ٹٹ گئی



ہاتھ میں تلوار لے کر سوچ میں گم ہو گیا
قتل کر دے گا مجھے یہ مرحلہ تاخیر کا

آنکھ جھکتی ہے تو اٹھ جاتی ہیں کتنی انگلیاں
تراگھائل راستہ روکے گا کس کس تیر کا

میری رسوائی نے قاتل کو پریشاں کر دیا
یہ بھی شاید اک حوالہ ہے میری توقیر کا

رفعت تنخیل بھی ہونے لگی پیوند خاک
میرے سر پر آگرا شعلہ تری تاخیر کا

میں سمندر ہوں مگر دریاؤں میں تقسیم ہوں
لوٹ لے گا مجھ کو خمیازہ مری جاگیر کا

اپنی آزادی تھی گویا زلف کی آوارگی
سلسلہ ملتا گیا زنجیر سے زنجیر کا

یہ شکستہ آئینہ اظہار بے مصرف نہیں
منعکس اس میں اک اندیشہ بھی ہے تویر کا

﴿.....☆.....﴾



نت نئے پیکروں میں ڈھلتا ہے
وہ مرے ساتھ ساتھ چلتا ہے
میں اُسے راستہ بناتا ہوں
اور وہ راستے بدلتا ہے
برف باری ہے جس کے آنگن میں
کس کا پیکر وہاں پگھلتا ہے

زیست کی تیرہ تار گھائی میں
اک پرانا چراغ جلتا ہے
دیپ میں نے جسے دیئے اکتھار
وہ گرا کر مجھے، سنبھلتا ہے
﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

شہر کے قہقہوں پہ مت جانا
لوگ اپنی ہنسی اڑاتے ہیں
﴿.....☆.....﴾

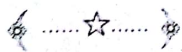


پانیوں میں گلاب بہنے دے
لمس کا خواب زندہ رہنے دے

اک کھلونا کہیں نہ بن جاؤں
پیار کا درد مجھ کو سہنے دے

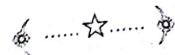
میں اندیشوں میں ہو گیا محصور
کانچ کا یہ مکان ڈہنے دے

خامشی حد سے بڑھ گئی اظہار
جانِ من کچھ تو آج کہنے دے



کسرتیبا

زرخِ گلاب پہ جب اوس پڑنے لگتی ہے
چمک کے اڑنے کو پر تولتی ہے چنگاری
کہیں جو ذہن میں جھونکا ہوا کا آجائے
تو ذائقوں سے لپٹی ہیں تلخیاں آ کے
میں خوشبوؤں سے مگر فاصلہ نہیں رکھتا
یہ جانتا ہوں کہ سانسوں میں حشر برپا ہے
رگوں میں خون کی گردش بحال کیا ہوتی
مرا غرور مجھے راستے میں چھوڑے تو
میں تیری یاد کو جا کر گلے لگا لوں گا
مگر میں ٹوٹ رہا ہوں بڑے تسلسل سے

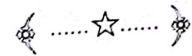


سحر

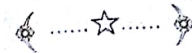
لوگ اس بات کو نادانی پہ محمول کریں
میں تمسخر کا نشانہ ہی بنوں گا لیکن
اپنے ادراک کے شعلوں میں جلا جاتا ہوں
خود سے ہوں برسریکار بقا کی خاطر
ختم ہونا ہے تصادم سے گریزاں ہونا
سخت مشکل ہے مگر صادق ایمان ہونا
سنگ ٹکرائے ہیں آپس میں، تو تاریکی میں
ایک پل ہی سہی کرنوں کی سحر پھیلی ہے



○
میرے خوابوں کا گھر جلا دو گے
اور تم صرف مسکرا دو گے
مجھ کو مجرم قرار دے کر تم
بے گناہی کی کیا سزا دو گے



○
پھول روتا ہے پھول ہنتا ہے
آئینہ کس قدر شکستہ ہے
جل رہے ہیں شجر کے سائے بھی
اپنی بستی میں کون بتا ہے



میرا ضمیر صاف ہے اگر بہک چلا تو کیا
نظر میں کوئی میل ہے نہ دل پہ کوئی زنگ ہے

ترس رہی ہیں پیار کو، سمندروں کی وسعتیں
کشادہ کس قدر ہے دل، یہ آنکھ کتنی تنگ ہے

نگاہ ہے تو دیکھئے، میں کیا کروں گا تبصرے
یہ موت ہے وہ زندگی وہ شمع یہ پتنگ ہے

ہے کشمکش میں آگہی قیامتوں کو دیکھ کر
بدن پہ برف جم گئی، لہو میں اک اُمنگ ہے

○
محببتوں کی خیر ہو، نہ روپ ہے نہ رنگ ہے
ہوں پتھروں کے درمیاں، یہ آئینہ بھی سنگ ہے

اگر جدا ہوئے ہیں ہم، سفر ابھی رکا نہیں
میں اس کی سانس سانس ہوں، وہ میرا انگ انگ ہے

گرفتہ دل کلی مگر، چنگ کے پھول بن گئی
یہ کون سا خمار ہے یہ کون سی ترنگ ہے

خاتون کی نذر ہیں، محبتوں کے سلسلے
میں دم بخود نہیں فقط، وہ نازنین بھی دنگ ہے

خلش فقط یہی رہی، یہ کیسی چوٹ کھا گیا
نہ دشمنی نہ دوستی نہ صلح ہے نہ جنگ ہے

میں بارشوں میں بھگ کر، افق کے پار جا بسا
ہوائیں تھر تھرا اٹھیں، فضا میں جلت رنگ ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

شام نے مجھ کو ہتھیلی پہ ہے رکھا شاید
جو بھی آتا ہے مری راکھ اڑا دیتا ہے

﴿.....☆.....﴾



خوشبو کو بکھیرا ہے اگر خاک رہی ہے
آوارگی تہذیب کا ادراک رہی ہے

کیوں پھول مہکتے نہیں آنگن میں ہمارے
یہ آنکھ ہماری بھی تو نم ناک رہی ہے

حالات نے روندا اُسے پتھر میں سمو کر
وہ روح جو اس جسم کی پوشاک رہی ہے



پیار کا رنگ ہی نرالا ہے
چاند بھی جگنوؤں کا ہالہ ہے

آئینے کی شکست کا قصہ
زندگی کا نیا حوالہ ہے

لغزشوں سے بچا گئے دامن
ہوش ہم نے کہاں سنبھالا ہے

اس دیس میں اظہار چمکتے ہیں ستارے
جس دیس میں خوشبو کی قبا چاک رہی ہے

کیوں سائے میں جلتا ہے چناروں کا سراپا
تڑپے ہوئے جگنو کی نظر پاک رہی ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

تری پلکوں سے اڑا کرتے ہیں جگنو شب بھر
رات اس شہر کی گمراہ نہیں ہو سکتی

﴿.....☆.....﴾

وقت اپنے مدار سے نکلا
یہ اندھیرا ہے یا اجالا ہے

اس قیامت سے کون گزرے گا
آپ نے قد بہت نکالا ہے

☆.....☆.....☆

ایک شعر

تالاب میں اتر کے مرا عکس کھو گیا
گہرے سمندروں سے پھڑنا عذاب تھا

☆.....☆.....☆



پیار کے خواب کو شرمندہ نہیں چھوڑے گا
ضبط کا روگ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا

اڑ رہا ہوں مگر افسوس بھی ہوتا ہے مجھے
یہ سفر چاند کو تابندہ نہیں چھوڑے گا

شب کے جگنو! میری دھڑکن کا ستارہ ٹوٹا
وہ سلامت کوئی سازندہ نہیں چھوڑے گا

اس نے تفصیل تھما دی کئی تعبیروں کی
گویا وہ حسن کو پائندہ نہیں چھوڑے گا

گھر کے رستے کا مجھے علم ہے لیکن سوچو
کیا تعاقب میں وہ کارندہ نہیں چھوڑے گا

وہم طوفان میں بچھا دیتا ہوں شمعیں اظہار
یہ اندیشہ مجھے رخشندہ نہیں چھوڑے گا

☆.....☆.....☆

ایک شعر

ان فضاؤں میں کوئی آگ بھڑک سکتی ہے
تیری خوشبو نے پکڑ لی ہے ہوا کی انگلی

☆.....☆.....☆



کہکشاؤں نے آسمان توڑا
درد نے رابطہ آسمان توڑا

کرچیوں میں ہیں منتشر چہرے
آئینہ تم نے ، مہرباں توڑا

دیپ سب بجھ گئے ہیں پلکوں پر
کس نے خوابوں کا یہ سماں توڑا

”چوم لو پیار سے مری تصویر“

کشکش خوب ہے مگر جاناں
اس طرح وقت روٹھ جاتا ہے
زندگی اوس سے مشابہ ہے
اک کرن اس کو چاٹ جائے گی
مصلحت کیش مت بنو ہمد
پیار اک مختصر سا وقفہ ہے
جب یہ سمٹے تو خاک ہو جائے
اور پھیلے تو پھر قیامت بھی

کانچ نے ٹوٹ کر صدائیں دیں
تم نے وعدہ جہاں جہاں توڑا

زندگی کا مجسمہ بکھرا
کس نے خوشبو کا کارواں توڑا

تنگی کھا گئی سمندر کو
بیکرائی نئے بیکراں توڑا

اڑ رہے ہیں خلاؤں میں اظہار
ضبط نے کانچ کا مکاں توڑا

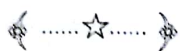
﴿.....☆.....﴾



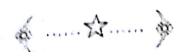
کوئی رشتہ تو اپنی اصل سے ہے
آنند پتروں کی نسل سے ہے

ہجرتوں کو ہی ساتھ لایگا
یہ اندیشہ بھی ہم کو وصل سے ہے

راکھ اڑنے نہ دو ہواؤں میں
یہ شہر بھی تو گل کی فصل سے ہے



اس کے من میں پناہ لیتی ہے
چوم لو پیار سے مری تصویر
تا کہ میں ہوش میں تو آجاؤں
میرا سینہ بہت کُشادہ ہے
میرے سائے سے ڈر رہے ہو اگر
تم مری روح میں سا جاؤ
چھوڑ دو آگہی کی سرحد کو
روپ کیوں آئینے کا قیدی ہو
ان ہواؤں کا رس بھرا لہجہ
میری جانب تمہیں باتا ہے
آؤ تم مجھ سے کیوں گریزاں ہو
میں نے اپنا حصار توڑا ہے



کون مٹتے ہوئے نقطوں سے بنائے تصویر
متصل رہ سے بھٹکانا ہے نظر کی تقدیر
گھر کے باہر کوئی آہٹ ہو تو ڈر لگتا ہے
اپنے بے ربط حوالوں کو کہاں لے جاؤں
گل زرگس میں اگر نصب ہوئی ہیں آنکھیں
خاک و خد اپنے ابھرتے نہیں لیکن پھر بھی
ہم تو اس دیس کے بے چشم مسافر ٹھہریں
سنگ ریزے جہاں ادراک کے آئینے ہیں

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

چاند اس دشت کی ویرانی میں گم ہو جاتا
تری بازیب کی آواز کہاں سے آئی

﴿.....☆.....﴾

کھر

روپ یہ کس کا شعاؤں میں ہوا ہے تحلیل
چشم تعبیر سے آلپے ہیں سائے کتنے
پھول کا لمس مرے ہاتھ میں مرجھاتا ہے
گو یہ دعویٰ میں بڑے زعم سے کر سکتا ہوں
ایک جذبے کے کئی رخ ہیں مگر لا حاصل
متکشف کس پہ ہو الہام کی پہلو داری
یوں ہے ہر آنکھ مسافت کی تھکن سے بوجھل
رو برو جو بھی ہے اس رنگ کے گن گاتی ہے

کوچ کرتے ہیں امن کے پیچھے
اس قہیلے کا مر گیا سردار
آنکھ میں خشک ہو گئے آنسو
جا رہا ہے کوئی سمندر پار
اس اذیت کی حد نہیں معلوم
وقت سویا ہے آنکھ ہے بیدار
منہ چھپا کر گزر گئی خوشبو
کون کرتا ہے پیار کا اظہار
﴿.....﴾

قزہ قزہ ہے بربر پیکار
حادثے ہیں شکست سے دو چار
لگ رہی ہے ہر ایک شے ساکن
تیز ایسی ہے وقت کی رفتار
میرا حلیہ بگاڑنے والے
مجھ کو آخر بنا گئے شہکار
تھام کر ہاتھ اس سنگر کا
زندگی میں تھکا ہوں پہلی بار

قتل

کانپ اٹھتا ہوں، لرزتے ہیں شجر کے پتے
گھر کے آنگن کی مہک روح کو تڑپاتی ہے
ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے لٹ جانے کا
آسمان رات کو تاروں کی قبا اوڑھے گا
آئینہ بھی کسی پتھر کا نشہ توڑے گا
کہکشاں اپنے تخیل کی کہاں ہے سالم
اب کوئی کس پہ بھروسہ کرے، توبہ توبہ
اس نے پھولوں کے تقدس کو کیا ہے نیلام
جس نے برسات میں خوشبو کی ردا اوڑھی تھی



رات کو صبح کی تنویر کہاں لے جائے
جانے اس خواب کو تعبیر کہاں لے جائے
آندھیاں اک نئے محور میں پھراتی ہیں مجھے
کیا خبر پاؤں کی زنجیر کہاں لے جائے
وقت نے جس کے تقدس کو کیا ہے رسوا
آنکھ جلووں کی وہ جاگیر کہاں لے جائے
آنکھ میں عکس اترتے نہیں سچائی کے
زندگی اپنی یہ تصویر کہاں لے جائے

نارسائی

صبح نے آکر کہا
تیز آنکھی نے میری یہ پائی مجھ سے چھین لی
رہ گیا میرا وجود
اک سفیدی آنکھ کی
مجھ میں آکر گل ہوئے ہیں
جگنوؤں کے ویسے بھی
کریچوں کے خواب نے
ریز و ریزہ کر دیا تعبیر کو

﴿ ﴾

شہر کے آئینے سب اس کا اڑاتے ہیں مذاق
آذنی اپنی یہ توقیر کہاں لے جائے
وہ کرن راہ بھٹکتی ہے جو ہولے ہولے
اس کو رفتار کی تاخیر کہاں لے جائے
زیست گر اس کو اتارے نہ میرے سینے میں
یہ چمکتی ہوئی شمشیر کہاں لے جائے
راستوں میں جو سلگتی ہے وہ خوشبو اظہار
اپنی پیشانی کی تحریر کہاں لے جائے
﴿ ﴾

یہ کوئی نہیں بھڑکے
ہو رہا ہے مگر لباس کوئی

کانپ اٹتی ہے میری تہائی
جیسے رہتا ہو آس پاس کوئی

کان میں کہہ گئی عیا آ کر
لے ازا پھول کی مناس کوئی

سوچتا جا رہا ہوں اب اظہار
ایک موسم تو آئے اس کوئی

﴿.....☆.....﴾

○

پھول میں رنگ ہے نہ ہاں کوئی
مجھ پہ بچتا نہیں لباس کوئی

نوج لے گا گلاب چہروں کو
نکس پھرتا ہے بدحواس کوئی

لوگ سب بانٹتے ہیں دریا کو
اب بچاتا نہیں ہے پیاس کوئی

ناقصام

داستاں مکمل ہے ، سلسلہ ادھورا ہے
 بیکراں ٹھہرنا ہے ، ناقصام رہ جانا
 کیا کروں گا میں آخر بے حساب ہو کر بھی
 تجھ کو پار کر کے میں ہر شناخت کھو دوں گا
 مجھ کو صاف بتا دے ، کونسی ہے حد میری
 اپنی بازیابی میں ، عمر بیت جاتی ہے
 اور کس کو فرصت ہے ، زندگی لٹانے کی
 میں خدا نہیں جانم ، میری حد مقرر ہے

میری ساری سرشاری ، تیلیوں کے خوابوں کو
 آنکھ میں سجانا ہے ، روح میں بسانا ہے
 ذات کے جزیرے میں ، گونجتی ہے شہنائی
 آئینے سنورتے ہیں ، صورتیں بگڑتی ہیں
 اپنے قد سے بڑھتے ہیں جب چنار کے سائے
 آگہی کے ساحل پر ، شام چھانے لگتی ہے
 کتنا تنگ کرتا ہے ، بے کنار ہو جانا
 وسعتوں کو لنگے گی وسعتوں کی بیزاری
 اک کلی میں سمٹا ہے ، آرزو کا پھیلاؤ
 لمس کے سمندر میں ، کائنات ہے رقصاں
 فاصلے مٹانا ہی ، میری بیکرائی ہے
 میں کہاں ساتا ہوں ، اپنی ذات میں تباہ

تعمین

تصویر کے رخ ہیں ہزار
اپنا تعین کیا کروں
کیا تیزی رفتار ہے
لگتا ہے جیسے زندگی
کروٹ بدلتی ہی نہیں
کس کیفیت کا دائرہ
پھیلا ہے میری ذات میں
سائے میں مدغم ہو گئیں
کرنیں کنواری دھوپ کی

کس حصار کو توڑوں ' میرے گرد رہ رہ کر
خواب خواب ہی آنکھیں ' دائرے بناتی ہیں
پھول پھول سا لہجہ ' آہستہ بچتا ہے
کیا ہوا کہ میں اب تک خوشبوؤں میں بکھرا ہوں
سسکیوں کی بچائی ' مجھ کو ایک کر دے گی
ہے میرے تعاقب میں ' ایک لمحے ادراک



سحر میں آکر کس طرح
دریا کا پانی رک گیا
ہے کشکش میں آگہی
لے جا رہا ہے کس طرف
یہ حیرتوں کا کارواں
وہ ماورا ہے سوچ سے
جو سامنے کی بات ہے
جیسے یہاں ہر حادثہ
اک حادثے کی زد میں ہے
پیہم شناسائی میں بھی
باہم خلا موجود ہے
لیکن کہیں ملتا نہیں
اس اجنبیت کا سرا

جب آئینے کی آنکھ سے
تعبیر کا کا جل اڑا
لاؤں اسے کیوں روبرو
اک عکس بے توقیر ہے
یہ لہجہ موجود بھی
﴿.....﴾

یلغار

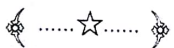
شام کے سائے نے جب راستہ کاٹا اپنا
اک نئی صبح نے ڈھونڈا ہمیں قریہ قریہ
ہاں مگر نیند سے بوجھل تھیں ہماری آنکھیں
محترز ہم رہے احساس کی یکجائی سے
منزلیں راہ میں آئیں تو انہیں ٹھکرایا
راستوں کو کہیں دلدل میں ڈبو کر آئے
ہم نے دوچار کیا روح کو تنہائی سے
خودکشی کرتے رہے ہم بڑی دانائی سے

یہ جو مغرب سے اُٹد آئے ہیں گہرے بادل
ان میں روپوش ہیں صدے کئی طوفانوں کے
آگ ہی پھرتی ہے سائے کا لبادا اوڑھے
کس نے سوچا تھا کہ جب ہم پر گرے گی بجلی
روشنی بھی اُسی یلغار میں شامل ہوگی



ایک شعر

گھر میں یہ سوچ کر پریشاں ہوں
مور جنگل میں ناچتا ہوگا



فریب

ٹوٹ جاتا ہوں اس بھروسے پر
تم میری کرچیاں سمیٹو گے
کتنے قامت دراز سائے بھی
زندگی کے دماغ پر چھا کر
خود نمائی کے جال بٹتے ہیں
کون اس کرب کا شناسا ہے
آئینہ کہہ رہا ہے رہ رہ کر
قاتلوں کا ضمیر زندہ ہے

☆.....☆.....☆

کرچیوں کو سنبھال کر رکھنا

خامشی نے جو سنگ برسائے
آئینہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرا
بٹ گئی بے شمار خدشوں میں
ایک موہوم سی شناسائی
پھر بھی تخلیق کی صعوبت میں
قلب شاعر کی دھڑکنیں رک کر
کہہ رہی ہیں کئی مراحل ہیں
شب کی اس بے چراغ وادی میں
بجھ نہ جائیں یہ آس کے جگنو
لوٹ آئے وہ آگہی شاید
عہد بے چہرگی میں ، ہمراہی
کرچیوں کو سنبھال کر رکھنا

☆.....☆.....☆



میں تری نبض پہ جب بات نہیں رکھ سکتا
روبرو تیرے کوئی بات نہیں رکھ سکتا

پیرہن تیز ہواؤں میں گھرا ہے میرا
اس قیامت میں تجھے ساتھ نہیں رکھ سکتا

آنکھ ہے، خواب کی تعبیر بدل سکتی ہے
کانچ میں پیار کے جذبات نہیں رکھ سکتا

جس نے اس شہر کو اک آہ میں تبدیل کیا
نام اس جبر کا ”حالات“ نہیں رکھ سکتا

حادثے میرے تعاقب میں چلے آئیں گے
گھر میں خوشبوؤں کے سوغات نہیں رکھ سکتا

ٹوٹ جائے گا بدن ضبط کی بے خوابی سے
سنگ کی آنکھ میں خدشات نہیں رکھ سکتا

میں نمائش کی ہنسی، ہنس نہیں سکتا اظہار
زیست کی جھولی میں خیرات نہیں رکھ سکتا



تناظر

نئی رتوں کا سفر عجب ہے
مسافروں نے شجر سے سائے چرائے ہیں
جو برگ آوارہ گر رہے ہیں زمیں پہ آکر
تو ان سے تصویر بن رہی ہے
کئی شکستہ سماعتوں کی
کوئی صدا ہو مجسمہ ہے نحوستوں کا
تفس کے اندر سمٹ گیا ہے جہان سارا
گھٹن نے بڑھ کر سب آئینوں کو بجا دیا ہے
غبار حائل ہوا ہے کرنوں کے راستوں میں
کسی کے چہرے کو کس تناظر میں کوئی دیکھے

ہر ایک منظر ہے کتنا کورا
نہ فاصلوں کے وہ ذائقے ہیں
نہ لمس کھلتے ہیں قربتوں کے
وہ ایک لمحہ ، جو چپکے چپکے
زمانہ مجھ میں تلاشتا ہے
وہ کھو چکا ہے
غروب ہوتا ہوا یہ سورج
تمام خوابوں کو چاٹ لے گا

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

میں جزیروں کی سیاحت میں مگن تھا لیکن
اس کی پلکوں نے ستاروں کے سفر پر بھیجا

﴿.....☆.....﴾

لمس کا دائرہ سمٹتا ہے

خوشبوؤں کا سفر نہیں رکتا
من کے ویران بھوت بنگلے میں
روشنی اک کھلا دریچہ ہے
اور مجھ کو برہنہ کر دے گا
اپنے سائے کو اوڑھ کر پھرنا
آئینے میں سما گئی دنیا
شب کی تاریکیوں میں رہ رہ کر
میں نے کرنوں کا رقص دیکھا ہے
ایک ویراں مکان پر کب سے
زندگی کی بہار چھائی ہے

آنکھ کی پتلیوں میں کیجا ہیں
سلے کتنے آسمانوں کے
جھیل میں رفتیں اتر آئیں
خوف ہے بیکراں نہ ہو جاؤں
لمس کا دائرہ سمٹتا ہے

﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

فاختائیں جہاں مصروف تھیں شرماتے میں
کالی بلی بھی وہاں تاک میں اک بیٹھی تھی

﴿.....☆.....﴾

سمجھوتہ

اک شکستہ آئینے میں مستقل
اپنی آرائش کے لمحے ڈھونڈنا
ایک سپنا اک حقیقت بھی تو ہے
خواب آنکھوں میں سجانے کیلئے
بھول جاؤ بے بسی تصویر کی
کرچیاں چختے رہو تعبیر کی
﴿.....☆.....﴾

ایک شعر

چھین کر تیلیوں سے بے خوابی
اس نے اپنا ہی گھر اجاڑا ہے
﴿.....☆.....﴾

تعبیر

کارواں میں شریک ہوں لیکن
سوچتا ہوں ہر اک پڑاؤ پر
کیوں سفر منزلوں کا قیدی ہو
وقت نے دائروں کو توڑا ہے
زندگانی کے تپتے صحرا میں
آنکھ پانی کے خواب کیوں دیکھے
وہ جو چشموں کے بیچ رہتا تھا
پتھروں کو جنم دیا اس نے
﴿.....☆.....﴾

داؤ

میں غروب ہو کے طلوع ہوا تو برہنہ پا تھیں سماعتیں
میں بھٹک، نہ جاؤں خلاؤں میں
ترے خال و خد کا فریب بھی
نہ الجھ سکا میری ذات سے
بڑی مضحکہ خیز ہے انامری
کہاں ہے نگاہ کی آب و تاب
کہاں ہے بدن کا وہ پیچ و خم
ترے پیکرِ ناز میں ہم نشیں

دستک

جس کا انجام ہی اسیری ہو
اس تصادم کی کیا ضرورت ہے
رنگ اس کا کبھی نہیں جمتا
جو لہو ہو امنگ سے عاری
زہر پینا ہو جس کی قسمت میں
اس کی آنکھوں میں کب سماتے ہیں
آنے والی بہار کے سپنے
کتے فتنوں کی زد میں ہے آغوش
بے سبب جاگنے کی خواہش سے
ایک قاتل کی نیند بہتر ہے

﴿.....☆.....﴾

نہ چڑھاؤ ہے نہ اتار ہے

کوئی بے کلی نہ قرار ہے

نہ ہو جس سے روح میں کھلبلی

بھلا سا زوہ کوئی سزا ہے

ترے قامت و قد کا غرور ہی کہیں نغمہ بن کے ہوا ہوا

مرے ہم سفر تری راہ میں نہ نشیب ہے نہ فراز ہے

﴿.....☆.....﴾



جاگتی آنکھ میں جب رات اتر آتی ہے
جھیل میں تاروں کی بارات اتر آتی ہے

میں ترے جسم کو پامال تو کر لوں لیکن
ایک خوشبو بھی ترے ساتھ اتر آتی ہے

جب بھی دھرتی پہ کسی جشن کی تیاری ہو
آسمانوں سے مری ذات اتر آتی ہے

آہٹ

برگِ آوارہ کی وہ سرگوشیاں کس نے سنیں
دھڑکنوں کو جو صلیبِ عصر پر لٹکا گئیں
دھوپ اور سائے کی نسبت بت گردوں نے لوٹ لی
بے حسی ہر چیز پر طاری ہے لیکن لوٹ آ
اک ہیولا آن دھمکے گا دبے پاؤں یہاں
اک مہیب آواز ابھرے گی فضا میں چار سُو
فاختائیں کھو گئیں تنہا جزیرے میں کہیں
سنگ زاروں کی سماعت میں رچی اک گونج ہے
کھینچتی ہے جو ہمیشہ آگہی کو دار پر

﴿.....☆.....﴾

بھیک جاتا ہے بدن میرا، کسی بارش میں
بدلیوں سے کوئی سوغات اُتر آتی ہے

اڑتا پھرتا ہوں میں خوابوں کے نگر میں اظہار
عرش سے دل پہ کوئی بات اُتر آتی ہے

﴿.....☆.....﴾

تم نے منہ پھیر کے اتنا بھی نہ سوچا پگی
یہ مسافر ہے بہت دور سے آیا ہوگا

وقت دریا میں بہاتا رہا لمحوں کے گلاب
دور سے تم نے اسے ہاتھ بلایا ہوگا

کرچیاں ہیں ترے عارض پہ کئی صدموں کی
آئینے نے کوئی پتھر تو گرایا ہوگا

پوچھتی رہتی ہے وہ زلف پریشاں ہو کر
کس نے اس شام کو خوشبو میں بسایا ہوگا



کہکشاؤں کے برابر اگر آیا ہوگا
شب کے جگنو نے مرا گیت چرایا ہوگا

اس کی چھاؤں میں گلابوں کے بدن جلتے ہیں
اس شجر پر کسی آسب کا سایا ہوگا

شام کی آنکھ میں سینے ہیں ہم آغوشی کے
تیری پائل نے کوئی حشر اٹھایا ہوگا



برہمی آنکھ کی پھیلی ہوئی، قندیل میں ہے
شہر کا شہر کسی سائے کی تحویل میں ہے

قتل کر کے مجھے معصوم ہی کہلائے گا
اک ہنر یہ بھی میرے عہد کے قاتیل میں ہے

بات کھلتی نہیں آسیب زدہ بستی کی
دُھندِ حائل یہاں آواز کی ترسیل میں ہے

آگ جل اٹھتی ہے جنگل کے کسی چشمے میں
گھنگھروں نے کوئی فانوس جلایا ہوگا

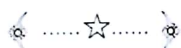
لس نغموں کے سمندر میں کھلا ہے اظہار
چاند نے روپ کا آنچل ہی اڑایا ہوگا

﴿.....☆.....﴾

مجھ سے نکلایا ہے یہ کس کے بدن کا جھونکا
راہ کا سنگ بھی کوشاں مری تھلیل میں ہے

کیا کروں وہ مجھے دلدل میں پھنسا ہی لے گا
مسکراتا ہوا اک پھول جو اس جمیل میں ہے

باربا جس نے مرے گھر کو اجازا، اظہار
ایک عرصے سے وہ کوشاں میری تکمیل میں ہے



کس طرح چاند کو آغوش میں لیکر تڑپا
یہ کہانی بھی تو ابھی کسی تفصیل میں ہے

سنگ باری مرے شیشے کا بدن لے ڈوبی
فائدہ کچھ تو ترے حکم کی تعمیل میں ہے

اب درو بام بھی سائے کی طرح لرزاں ہیں
شہر کی آنکھ ہراساں کسی تمثیل میں ہے

وہ کرن آنکھ میں چمکے گی ستارہ بن کے
ایک مدت سے مگن جو مری تشکیل میں ہے

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**